اردو میں ماہیا نگاری

(تحقیق و تنقید)

حیدر قریشی

پنجابی ماہیا
کوٹھے اتوں اڈ کانواں
سد پٹواری نوں
جند ماہیے دے ناں لانواں

تم روٹھ کے مت جانا
مجھ سے کیا شکوہ
دیوانہ ہے دیوانہ (قمر جلال آبادی)

دل لے کے دغا دیں گے
یار ہیں مطلب کے
یہ دیں گے تو کیا دیں گے (ساحر لدھیانوی)

مونجی کی چھڑائی تھی
پہلے پہل بیلے
جب آنکھ لڑائی تھی (حیدر قریشی)

مت دن اب گن ڈھولا
عید مبارک ہے
ترے وصل کا دن ڈھولا (امین خیال)

چنری پہ کناری تھی
لال پراندی بھی
ہمراز ہماری تھی (عارف فرہاد)

ساون کی فضاؤں میں
خوشبو کا افسانہ
زلفوں کی گھٹاؤں میں (مناظر عاشق ہرگانوی)

سچ تھا کہ کہانی تھی
یاد نہیں ہم کو
کیا چیز جوانی تھی (قمر ساحری)

کھوٹے کو کھرا کر دے
ایک نظر تیری
ہر دشت ہرا کر دے (پروین کمار اشک)

امواج کے دھاروں تک
اپنی کہانی ہے
طوفاں سے کناروں تک (نذیر فتح پوری)

بچپن کی کہانی پر
بنیادیں رکھیں
بہتے ہوئے پانی پر (یوسف اختر)

ہے رنگ بہت گہرا
سرخی اناروں کی
تکتی ہے ترا چہرہ (انور مینائی)

پہرہ تو بٹھانا ہے
دل کی تجوری میں
زخموں کا خزانہ ہے (سعید شباب)

- "ماہیا کی ہیئت کی پہچان کرانے کے معاملہ میں آپ (حیدر قریشی) نے جو خدمات انجام دیں ہیں ان کی ایک تاریخی حیثیت بنتی ہے اور ادب کا کوئی طالب علم اس سے انکار نہیں کر سکتا" **(ڈاکٹر وزیر آغا)**
- "میں حیدر قریشی کے موقف سے اتفاق کرتا ہوں کہ ماہیا بنیادی طور پر گائی جانے والی لوک شاعری ہے اور اس کی مخصوص دھنیں ہیں اور ان دھنوں کے مطابق ماہیے کے تینوں مصرعے مساوی الوزن نہیں ہوتے۔ پہلا اور تیسرا مصرع ہم وزن بھی ہوتا ہے اور ہم قافیہ بھی۔ لیکن دوسرا نسبتاً چھوٹا ہوتا ہے یعنی اس میں ایک "سبب" کی کمی ہوتی ہے" **(مظہر امام)**
- یہ بات نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ بعض شعراء نے محض لا علمی میں ماہیا کے تین مصرعوں کو ہم وزن کردیا تو جناب حیدر قریشی نے اس "بے شعوری" غلطی کی طرف نہ صرف توجہ دلائی بلکہ اس غلطی کے استیصال کے لئے تحریک بھی جاری کردی۔۔۔ کوششیں رنگ لارہی ہیں اور اب ماہیا اوزان کی صحیح تکنیک میں لکھا جارہا ہے۔ **(ڈاکٹر انور سدید)**
- مجھ سمیت ماہیا نگاروں کا پورا قبیلہ اس بات کو تسلیم کرچکا ہے کہ حیدر قریشی نے ماہیا نگاروں کو درست وزن کی نشاندہی کرانے کے ساتھ ساتھ اردو ادب کی تاریخ میں ماہیے کی ہیئت، مزاج اور وزن کے حوالے سے انفرادی نوعیت کا نہایت اہم تحقیقی اور تنقیدی کام کیا ہے۔ **(عارف فرہاد)**
- "اردو میں ماہیا کی نسبت سے آپ (حیدر قریشی) اتھارٹی بن چکے ہیں" **(ناصر عباس نیر)**
- "آپ (حیدر قریشی) نہ صرف ماہیا پر اتھارٹی ہیں بلکہ تخلیق کے علاوہ آپ نے تنقید اور تحقیق کے میدان میں بھی جوہر دکھائے ہیں۔" **(امین خیال)**
- "حیدر قریشی نے ماہیے کے اصل وزن کے مسئلے پر تنقیدی اور تخلیقی دونوں سطح پر سب سے زیادہ کام کیا ہے اور سب سے زیادہ پتھر بھی کھائے ہیں۔" **(سعید شباب)**

اردو میں ماہیا نگاری

(تحقیق وتنقید)

حیدر قریشی

انٹرنیٹ ایڈیشن ۲۰۱۴ء

یہ کتاب فرہاد پبلی کیشنز اسلام آباد کی جانب سے ۱۹۹۷ء میں شائع کی گئی۔
پانچ کتابوں کے مجموعہ ''اردو ماہیا تحقیق وتنقید'' میں بھی یہ کتاب شامل ہے۔

جب ماہیے کی بات آئی
ساتھ ہی سکھیوں کے
پیتل کی پرات آئی

جھجری بھی بجاتے ہیں
تال پہ تالی کے
جب ماہیے گاتے ہیں

انتساب

قمرجلال آبادی اور ساحرلدھیانوی کے نام

جنہوں نے اردو میں درست ماہیا نگاری کے مثالی نمونے عطا کئے

اور خوبصورت گلوکاروں

محمد رفیع ،آشا بھونسلے اور مسرت نذیر کے نام

جن کے گائے ہوئے ماہیے، ماہیا نگاری کی بحث میں مستقل حوالہ بن گئے ہیں۔

چڑھتے ہوئے جامَن پر
داغ لگا بیٹھے
ترے پیار کا دامَن پر

تفصیل

اردو میں ماہیا نگاری

ابتدائیہ

اردو میں ماہیا نگاری کی غلط روش کے بعد درست وزن میں ماہیا نگاری اور اصلاح احوال کا آغاز ۱۹۹۰ء میں ہوا۔ اور اب کہ ۱۹۹۶ء گذر چکا ہے، لگ بھگ چھ سال کے عرصہ میں نہ صرف ماہیے کے وزن کی درستی کا مسئلہ حل ہوا ہے بلکہ اس کے مزاج کو سمجھنے کی مخلصانہ کوششیں بھی ہوئی ہیں۔ گزشتہ ۶ برسوں میں ماہیے کی بحث نے کیا کیا رخ اختیار کیا۔۔۔؟ اس کی بیشتر رُوداد میں نے اپنے تاثرات کے ساتھ اس کتاب میں یک جا کرنے کی کوشش کی ہے۔ کوشش کا لفظ اس لئے لکھ رہا ہوں کہ ۱۹۹۲ء میں جب ماہیے پر پہلا تنقیدی مضمون شائع ہو، انہیں ایام میں مجھے ترک وطن کرنا پڑا۔ بیرون ملک آ کر شاید میں تمام رسائل پر پوری نظر نہیں رکھ سکا۔ ماہیے کی بحث جب عروج پر پہنچی میں وطن عزیز سے دور تھا اس کے باوجود مقدور بھر اس کی بحث میں شریک رہا۔

میں ادب میں کسی قول اور نظریے کو حرف آخر نہیں سمجھتا۔ ماہیے کے سلسلے میں میرا ایک موقف ہے جسے میں نے دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان دلائل کو ان سے بہتر دلائل کے ساتھ توڑا جا سکتا ہے۔ لیکن پتھر کے ساتھ نہیں۔۔۔ گزشتہ چھ برسوں میں اختلاف رائے رکھنے والوں میں تین طرح کے احباب سامنے آئے:

۱۔ وہ احباب جو خلوص اور نیک نیتی سے سمجھتے تھے کہ شاید ماہیے کا وزن دونوں طرح سے ہے، اس لئے ماہیے کے دونوں وزن ٹھیک ہیں۔

۲۔ وہ احباب جو پہلے تین ہم وزن مصرعوں کے ''ماہیے'' لکھ رہے تھے۔ بعض کی ایسے ''ماہیوں'' کی کتابیں تک چھپ گئی تھی۔ انہوں نے حقیقت حال ظاہر ہو جانے کے بعد

اپنے غلط وزن کے ''ماہیوں'' کو ماہیے منوانے کے لئے امداد باہمی کے طور پر مہم چلائی۔ تاہم ذاتی پریشانی کے باعث ان احباب نے ''طے شدہ نتائج حاصل کرنے والا تحقیقی انداز'' اختیار کرنے کے باوجود زیادہ تر ادبی زبان میں اپنا موقف پیش کیا۔

۳۔ وہ کرم فرما جو مجھ سے کسی اور سبب سے ذاتی طور پر ناراض تھے۔ انہوں نے محض مجھے نیچا دکھانے کی غرض سے غلط بحث کیا۔ حقائق کو دیدہ دانستہ مسخ کیا۔ ادبی فضا کو گرد آلود کیا۔ یہ کرم فرما ماہیے کی آڑ میں اپنی زخمی انا کیلئے مرہم چاہتے ہیں، بصورت دیگر گرد اڑاتے رہیں گے۔

سو یہ کتاب تیسری قسم کے کرم فرماؤں کے لئے ہرگز نہیں ہے۔ پہلے دونوں طرح کے احباب کے لئے اور ان تمام ادب دوستوں کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے جو کسی کی طرفداری یا مخالفت کے جذبے کے بغیر ماہیے کے وزن اور مزاج کو سمجھنا چاہتے ہیں۔

اس کتاب کی تکمیل کیلئے مجھے بہت سے حوالوں کی ضرورت تھی جو یہاں دستیاب نہ تھے۔ جن دوستوں نے میرے مطلوبہ حوالہ جات فراہم کرنے میں میری مدد کی ان میں جناب امین خیال، محترم ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، برادرم صفدر رضا صفی، برادرم انور مینائی اور برادرم عارف فرہاد کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ میں ان تمام دوستوں کے تعاون پر ان کا شکر گزار ہوں۔ جن دوستوں نے میری مودبانہ درخواست کے باوجود مجھے میرا مطلوبہ مواد فراہم کرنے کی بجائے خاموشی اختیار کر لی (حالانکہ میں مطلوبہ مواد کی فراہمی کیلئے جملہ اخراجات بھی ادا کر رہا تھا) میں ان کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ دراصل نوشہرہ، راولپنڈی اور کراچی کے یہ دوست غلط وزن کے ''ماہیے'' کے حامی ہیں شاید اس لئے ایک ادبی معاملے میں تعاون کرنے میں انہیں انقباض محسوس ہوا۔ ادبی معاملات میں اختلاف رائے جرم نہیں ہوتا۔ تحقیقی معاملات میں کسی فرد کی انا کے مقابلے میں حقائق محترم ہوتے ہیں۔ بہر حال ان دوستوں کی خاموشی کی مجبوری بھی برحق ہے۔

ماہیا ''کتاب دل'' ہے۔ اس کتاب میں ماہیے کی۔۔۔۔ پنجابی اور اردو ماہیے کی مختصر

سی کہانی کے ساتھ اس ''کتابِ دل'' کی چھوٹی سی تفسیر بھی کی گئی ہے،اس امید کے ساتھ کہ:

''لکھی جائیں گی کتابِ دل کی تفسیریں بہت''۔

ماہیے کے وزن اور مزاج کے سلسلے میں ایک واضح موقف رکھنے کے باوجود میں نے اپنے ذہن کی کھڑکیوں اور دل کے دروازے کو کھلا رکھا ہوا ہے۔علمی اور ادبی سطح پر کوئی نئی بات مضبوط دلائل کے ساتھ پیش کی جائے تو میں اسے قبول کرنے میں دیر نہیں کروں گا۔اسی طرح میں توقع رکھتا ہوں کہ اگر میرے موقف میں جان ہے تو علمی، ادبی مزاج رکھنے والے احباب اسے خوشدلی سے قبول کریں گے۔

حیدر قریشی (جرمنی)

مورخہ:۱۳جنوری ۱۹۹۷ء

پنجابی لوک گیت ۔ ماہیا

ماہیا سرزمینِ پنجاب کا عوامی گیت ہے۔ ماہیا کا لفظ ماہی سے نکلا ہے لیکن یہ اردو والا ماہی نہیں ہے۔ ویسے ماہیا میں محبّ اپنے محبوب کی جدائی میں ماہیٔ بے آب کی طرح بھی تڑپتا دکھائی دیتا ہے۔ پنجابی میں بھینس کو مہیں کہتے ہیں۔بھینسیں چرانے والوں کو اسی نسبت سے ماہی کہا جاتا تھا۔ان چرواہوں کو بھینسوں پر نظر رکھنے کے سوا کوئی کام نہیں ہوتا تھا اس لئے دیہاتی ماحول کے مطابق انہوں نے کسی مشغلے کے ذریعے وقت گزاری کا راستہ نکالا۔ بانسری بجانے اور گیت گانے کا مشغلہ ایسا تھا کہ بیک وقت چرواہے کا فرض بھی ادا کیا جا سکتا تھا اور اپنے دل کو بھی بہلایا جا سکتا تھا۔ بانسری اور اچھی آوازوں کے جادو نے بھی بعض چرواہوں کو اپنے اپنے دیہاتوں میں مقبولیت عطا کی ہوگی لیکن جب محبت کے قصوں میں رانجھے اور مہینوال کو اپنے اپنے محبوب تک رسائی حاصل کرنے کے لئے چرواہا بننا پڑا تو پھر ان کرداروں کی رومانوی کشش نے لفظ ماہی کو چرواہے کی سطح سے اٹھا کر نہ صرف ہیر اور سوہنی کا محبوب بنا دیا بلکہ ہر محبت کرنے والی مٹیار کا محبوب ماہی قرار پایا۔اسی ماہی کے ساتھ اپنے پیار کے اظہار کے لئے ماہیا عوامی گیت بن کر سامنے آیا۔

ماہیے میں پنجاب کے عوام کے جذبات، احساسات اور خواہشات کا خوبصورت اور براہِ راست اظہار ملتا ہے۔عوام نے اپنی امنگوں، آرزؤں اور دعاؤں کو اس شاعری کے ذریعے سینہ بہ سینہ آگے بڑھایا اور زندہ رکھا۔اسی لئے یہ عوامی گیت اپنی ظاہری صورت میں انفرادی ہونے کے باوجود اپنی سوسائٹی کی ترجمانی کرتا ہے۔

ماہیا فکر و خیال سے تہی نہیں ہوتا لیکن گہرے فلسفیانہ خیالات کے برعکس سیدھے سبھاؤ عوام کے دل میں اتر جانے والا انداز ہی اس کے مزاج کا اہم حصہ ہے۔عوام کے دل میں سما جانے والے مزاج کے باعث ماہیا فکر سے زیادہ جذبے کو اہمیت دیتا ہے تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اس میں رمز و کنایہ سے کام نہیں لیا جاتا۔ ماہیے میں جذبوں کا رس رمز و کنایہ کی مٹھاس سے مل کر انوکھی لذت پیدا کر دیتا ہے۔

منجی دھپے چھانویں ڈائی ہوئی اے
غم ساہنوں سجناں دا
لوکاں مرض بنائی ہوئی اے

چٹے رنگ دا بدام ہوسی
جیندیاں وی تیری آں
مویاں مٹی وی غلام ہوسی

پہلے ماہیے میں عورت کہہ رہی ہے کہ میں نے اپنی چارپائی آدھی دھوپ اور آدھی چھاؤں میں ڈال رکھی ہے۔ مجھے غم تو اپنے ماہی کی جدائی کا ہے لیکن یہ لوگ میرے دکھ کو نہیں سمجھ رہے۔ قیاس کر رہے ہیں کہ میں بیمار ہوں۔ دھوپ چھاؤں کے الفاظ ایک طرف بہار کے موسم کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ جب چھاؤں میں زیادہ دیر بیٹھے رہیں تو ٹھنڈ کا احساس ہونے لگتا ہے اور دھوپ میں زیادہ دیر بیٹھیں تو دھوپ چبھنے لگتی ہے۔ یوں بہار کے موسم میں ماہی کی جدائی کا دکھ بیان کیا ہے۔ پھر کبھی دھوپ اور کبھی چھاؤں کے الفاظ محبت میں لحظہ بہ لحظہ بدلتے ہوئے حالات کی بھی ترجمانی کرتے ہیں۔

دوسرے ماہیے میں عورت براہ راست اپنے ماہی سے مخاطب ہے۔ کاغذی بادام کا اوپر والا چھلکا بڑی حد تک سفید ہوتا ہے۔ سو عورت اپنے پیار کو یوں چھپاتی اور بتاتی ہے کہ جس طرح کاغذی بادام کا چھلکا بظاہر سخت نظر آتا ہے لیکن انگلیوں کے معمولی

سے دباؤ کے ساتھ چھلکا ٹوٹ جاتا ہے اور اندر سے گری نکل آتی ہے۔ بالکل ایسے ہی تم میری ظاہری ناراضگی یا سختی پر مت جانا۔ میں تو اندر سے تم پر فدا ہو چکی ہوں۔ یہاں تک کہ جیتے جی بھی تمہاری ہوں اور مرنے کے بعد بھی نہ صرف تمہاری رہوں گی بلکہ میری مٹی بھی تمہاری غلام رہے گی۔ سفید رنگ کے بادام سے ایک اور معنی بھی نکلتے ہیں۔ بادام کی گری کا چھلکا اتر جائے تو اندر سے سفید گری نکلتی ہے۔ یوں بے لباسی کو لطیف پیرائے میں بیان کر کے خود سپردگی کا اظہار کیا گیا ہے۔ محبت کا یہ والہانہ انداز جسم سے روح تک کا سفر بن جاتا ہے۔ ان دو مثالوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ گہرے فلسفیانہ افکار سے گریز اور براہ راست اظہار کے باوجود ماہیے میں رمز و کنایہ کی مٹھاس ماہیے کو تہہ دار معانی کی حامل بنا دیتی ہے۔

ماہیا بظاہر عورت کی زبان میں مرد سے محبت کا اظہار ہے۔ اس حوالے سے ماہیے کو قدیم ہندوستانی گیت کے تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ غور کیا جائے تو یہ صوفی شعراء کا بالواسطہ اثر بھی محسوس ہوتا ہے کہ صوفیانہ شاعری میں محبوب ہمیشہ مذکر کے صیغہ میں آیا ہے۔ ریختی سے بھی اس کے سرے ملائے جا سکتے ہیں کہ ریختی میں عورت کی زبان سے جذبات کا بے محابا اظہار کیا جاتا ہے۔

بے شک ماہیے میں عام طور پر عورت ہی بولتی سنائی دیتی ہے لیکن مردانہ زبان کے ماہیے بھی شروع سے چلے آ رہے ہیں۔ مکالماتی صورت کے ماہیوں میں عموماً مرد اور عورت شوخی اور شرارت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ مکالماتی ماہیے دیکھیں جو چھیڑ چھاڑ کی حد سے آگے جا رہے ہیں:

عورت	مرد
سڑکے تے روڑی اے	سڑکے تے روڑی اے
نالے میرا چھلا لالیا	کیہڑا تیرا چھلا لالیا
نالے انگل مروڑی اے	کیہڑی انگل مروڑی اے

مرد	عورت
باغے وچ آنواں گا	سڑکے تے روڑی اے
نالے تیرا چھلا دیاں گا	سجا میرا چھلا لالیا
نالے انگل چڑھاواں گا	کھبی انگل مروڑی اے

اس مثال سے ظاہر ہے کہ ماہیا محض عورت ہی کے جذبات کی نہیں، مرد کے جذبات کی بھی ترجمانی کرتا ہے۔ گو کہ پنجابی میں ماہیا مرد کی زبان میں بھی ریختی کے مزاج سے آگے نہیں بڑھ سکا لیکن خوشی کی بات ہے کہ اردو کے ماہیا نگاروں نے اسے ریختی سے اُٹھا کر ریختہ کی سطح تک پہنچا دیا ہے۔

محبوب کے ساتھ محبت کا اظہار، والہانہ پن، معاملہ بندی، چھیڑ چھاڑ، ہجر، وصال، شکوے شکایتیں ماہیے کے ابتدائی موضوعات تھے۔ ماہیے کے موضوعات میں وسعت پیدا ہوئی تو رشتہ داریاں، میلے ٹھیلے، شادی بیاہ اور روزمرہ زندگی کے معاملات اور تقریبات بھی ماہیے میں اپنا رنگ جمانے لگیں۔ حمد و نعت اور دعا کے دینی جذبات ماہیے کا موضوع بننے لگے، زندگی کے مسائل بھی ماہیے میں بیان ہونے لگے۔ یوں ماہیا پنجابی معاشرے کے جذبات کا ترجمان بنتا گیا۔ اگرچہ زندگی کے مسائل اور ان سے جڑے ہوئے مختلف انسانی جذبات کا اظہار ماہیے کے موضوعات میں وسعت اور تنوع پیدا کرتا ہے تاہم پنجابی ماہیے کا غالب موضوع اپنے ماہی سے باتیں کرنا اور اپنے ماہی کی باتیں کرنا ہے۔ ماہیے کے اسی غالب موضوع سے ماہیے کا مزاج مرتب ہوتا ہے اور اس حوالے سے کہا جا سکتا ہے کہ ماہیا غزل کی اس ابتدائی اور بنیادی تعریف سے قریب ہے جس کے مطابق غزل کا مطلب محبوب عورتوں کی باتیں کرنا تھا۔

☆☆☆☆

ماہیے کے وزن کا مسئلہ

ماہیے کے لئے بگڑو اور ٹپا کے نام بھی استعمال ہوئے ہیں لیکن ماہیا نام زیادہ مقبول ہوا۔ ماہیے کی تحریری صورت کے سلسلے میں دو آراء ہیں۔ پہلے موقف کے مطابق ماہیا تین مصرعوں کی نظم ہے:

کوٹھے اُتوں اُڈ کانواں
سد پٹواری نوں
جند ماہیے دے ناں لانواں

دوسرے موقف کے مطابق ماہیا ''ڈیڑھ مصرعہ کی نظم ہے۔ پہلی لائن آدھے مصرعے کی ہے جو ٹریگر کا کام کرتی ہے اور دوسری لائن پورے مصرعہ کی ہے جس میں جذبات کا شعری فائر ہوتا ہے''

(ا) اس موقف کے مطابق ماہیا یوں لکھا جاتا ہے:

کوٹھے اُتوں اُڈ کانواں
سد پٹواری نوں جند ماہیے دے ناں لانواں

یہ اختلاف رائے صرف ماہیے کو تحریری صورت میں پیش کرنے کا ہے ورنہ مذکورہ بالا دونوں ہیئتوں میں ماہیے کا اصل وزن محفوظ ہے۔ اگرچہ ماہیا کو تین مصرعوں کی ہیئت میں واضح پذیرائی مل چکی ہے اور یہی صورت ماہیے کی مقبول اور مروج صورت ہے تاہم دوسرے موقف سے بھی ماہیے کا مجموعی وزن بہرحال قائم رہتا ہے۔

ماہیے کے وزن کے سلسلے میں دو موقف سامنے آئے ہیں۔ پہلا موقف تنویر بخاری

کا ہے۔ان کے بقول ماہیے کا وزن یہ بنتا ہے:

مفعول مفاعیلن
مفعول مفاعیلن
مفعول مفاعیلن

دوسرا موقف ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری کا ہے۔ان کے بقول ماہیے کا وزن یوں ہے:

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فعلن

وزن کی بحث میں دونوں پنجابی سکالرز کا اختلاف واضح طور پر سامنے آیا تھا۔
جہاں تک ماہیے کے پہلے اور تیسرے مصرعوں کا تعلق ہے ان کا وزن مفعول مفاعیلن ۔۔ بھی ہو سکتا ہے اور فعلن فعلن فعلن بھی۔غور کیا جائے تو ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری کا موقف زیادہ جاندار ہے کیونکہ مفعول مفاعیلن بھی عملی طور پر حقیقتاً فعلن فعلن فعلن کا روپ دھار لیتا ہے: مفعولمفاعیلن ۔۔۔تاہم تنویر بخاری کا موقف بھی یکسر غلط نہیں ہے کیونکہ بعض ماہیے ان کے بیان کردہ وزن پر بھی پورے اترتے ہیں۔البتہ ماہیے کے دوسرے مصرعے کا وزن بنیادی وزن سے ایک سبب یعنی دو حروف کم ہوتا ہے۔ماہیے کا پہلا اور تیسرا مصرعہ اگر مفعول مفاعیلن کے وزن پر ہے تو اس کے دوسرے مصرعے کا وزن فعل مفاعیلن بنتا ہے۔یوں پورے ماہیے کا وزن یہ ہوگا:

مفعول مفاعیلن
فعل مفاعیلن
مفعول مفاعیلن

اگر ماہیے کا پہلا اور تیسرا مصرعہ فعلن فعلن فعلن کے وزن پر ہے تو اس کے دوسرے مصرعے کا وزن فعلن فعلن فع بنتا ہے۔یوں پورے ماہیے کا وزن یہ ہوگا:

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فع
فعلن فعلن فعلن

ماہیے کے دوسرے مصرعہ کے وزن کے سلسلے میں تنویر بخاری اور ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری گہری نظر سے کام نہیں لے سکے۔شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ دونوں صاحبان ماہیے کے پہلے مصرعہ کو بنیاد مان کر اس کے وزن کی بحث میں الجھے ہوئے تھے۔یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ماہیے کی دھن پر پورا دھیان نہ دینے کے باعث ماہیے کے پہلے اور تیسرے مصرعوں کے مقابلے میں دوسرے مصرعے میں ایک سبب کی کمی کا نازک فرق انہیں سمجھ میں نہ آسکا ہو۔

اُردو زبان میں زحافات کا تعین ہے۔جن حروف کو گرانے کی اجازت ہے ان کی وضاحت موجود ہے لیکن پنجابی زبان میں ایسا کوئی ضابطہ یا اصول نہیں ہے۔ ضرورت شعری کے مطابق اس کے حروف کو کھینچ کر لمبا بھی کر لیا جاتا ہے اور گرا کر مختصر بھی کر لیا جاتا ہے۔اس عمل کے دوران ملفوظی یا غیر ملفوظی حروف کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ پنجابی زبان میں اس رعایت کا فائدہ ماہیے میں بھی اٹھایا گیا ہے۔چنانچہ جن صاحبان نے پنجابی ماہیے کو تحریری صورت میں دیکھا اور پھر اسے اردو قواعد کے مطابق سمجھنے اور پرکھنے کی کوشش کی وہ اپنی تمام تر نیک نیتی اور اخلاص کے باوجود مغالطے کا شکار ہوئے۔ بعض ادباء نے کہا کہ ماہیے کے دوسرے مصرعے کا وزن پہلے اور تیسرے مصرعوں سے ایک سبب کم بھی ہوتا ہے اور بعض اوقات ان کے برابر بھی ہوتا ہے۔بعض ادباء نے یہ بھی کہہ دیا کہ بعض اوقات ماہیے کا دوسرا مصرعہ پہلے اور تیسرے مصرعوں سے بڑھ بھی جاتا ہے (۲) ایسے تمام دوستوں کا مغالطہ اتنا بے جا بھی نہیں تھا۔ماہیے کو تحریری صورت میں دیکھیں اور اردو قواعد ذہن میں ہوں تو لازما ایسا دھوکہ ہوتا ہے۔پہلے ایسے چند ماہیے دیکھ لیں جن میں بظاہر ایسے لگتا ہے کہ کہیں ماہیے کا دوسرا مصرعہ پہلے اور تیسرے

مصرعے سے ایک سبب کم ہے تو کہیں تینوں مصرعے ہم وزن لگتے ہیں اور کہیں دوسرا مصرعہ پہلے اور تیسرے مصرعوں سے بھی آگے نکلتا دکھائی دیتا ہے۔ ایسے ماہیے جن میں دوسرا مصرعہ ایک سبب کم ہے:

باری وچ کھیس پیا	آری اتے آری اے
اک دَم سجناں دا	اک دَم یوسف دا
اووی ٹر پردیس کیا	سارا مصرو پاری اے

ایسے ماہیے جن میں بظاہر تینوں مصرعے ہم وزن لگتے ہیں:

دو کاج قمیضاں دے
اساں کل ٹر جانا
فرمیل نصیباں دے

☆☆

اسیں آپے ای بھل گئے آں
تیرے پچھے سجناں وے
سڑکاں تے رُل گئے آ

ایسے ماہیے جن میں بظاہر دوسرے مصرعہ میں ایک سبب زائد لگتا ہے:

اکھ رورو سک گئی اے
لوکاں دی مویاں مکدی
ساڈی جیوندیاں مک گئی اے

☆

آلو، مٹر پکائے ہوئے نیں
ساڈے نالوں بٹن چنگے
جیہڑے سینے نال لائے ہوئے نیں

ماہیے کی ایسی تحریری صورتیں دیکھ کر ہمارے بعض ادیب یہ سمجھ بیٹھے کہ ماہیے کا دوسرا مصرعہ ماہیے کے پہلے مصرعہ سے ایک سبب کم بھی ہوسکتا ہے۔ ہم وزن بھی ہوسکتا ہے اور ایک سبب زائد بھی ہوسکتا ہے۔ پروفیسر عرش صدیقی یہی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس رائے سے مجھے اختلاف نہیں کہ ماہیے کے دوسرے مصرعے میں پہلے سے ایک سبب کم ہوتا ہے۔ میں صرف اس میں یہ اضافہ کروں گا کہ کم بھی ہوسکتا ہے اور بیش بھی۔ یوں بنیادی وزن فعلن تین بار باہر رہے گا اور دوسرا مصرعہ تین ڈھائی یا ساڑھے تین بار بھی ہوسکے گا۔ پنجابی ماہیے میں یہ تینوں صورتیں ملتی ہیں۔'' (۳)

جب ماہیے کو تحریری صورت میں دیکھنے کے باعث اس کے دوسرے مصرعہ کے وزن کا مسئلہ اتنا الجھا ہوا ہے تو کسی درست نتیجے تک کیسے پہنچا جاسکتا ہے؟۔ اس سلسلے میں میرا موقف یہ ہے کہ ماہیا اصلاً لوک گیت ہے جس کی اپنی مخصوص دھن ہے۔ بس اسی دھن میں ہی اس کا اصل وزن موجود ہے۔ مختلف فلمی ماہیوں میں موسیقی کے نئے تجربے کئے گئے ہیں لیکن ہر تجربے میں ماہیے کی عوامی دھن کی روح نہ صرف موجود ہے بلکہ اپنے اصل وزن کے ساتھ پوری طرح محفوظ ہے۔ سو ماہیے کی دھن سے ہی اس کا اصل وزن دریافت کیا جاسکتا ہے۔ پہلے دیہاتی عوامی دھن اور بعض فلمی ماہیوں کی معروف مثالیں دیکھ لیں ان ماہیوں کو پڑھنے سے زیادہ سننا اور ان کی طرز کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے:

چٹا ککڑ بنیرے تے	ساڈے دل نے گوا ماہیا
ریشمی دوپٹے والیے	تیری میری اک جندڑی
منڈا صدقے تیرے تے	بھانویں بت نے جدا ماہیا
(معروف دیہاتی دھن۔ آواز: مسرت نذیر)	**(فلم ذیلدار)**
ساڈی عجب کہانی اے	کیوں مڑ مڑ تکدے او
بھل کے پرانے دکھڑے	پانویں لکھ پردے کرو
نویں دنیا وسانی اے	ساتوں لک نئیں سکدے او

(فلم: میرا ماہی)	**(فلم: یکے والی)**
اسمانی تارے نیں	ساڈا نازک دل ماہیا
بازی دل والی چناں	کلیاں نوں ملے بھنورے
اسی جت کے وی ہارے وے	سانوں توں گئیوں مل ماہیا
(فلم: من موجی)	**(فلم: پیشہ ور بدمعاش)**

ان ساری دھنوں کو ذہن نشین کر لیں۔ پھر ہر گانے کی طرز پر مذکورہ بالا ماہیوں کی بجائے ان اوزان کو گنگنا کر دیکھیں اور پرکھیں:

فعلن فعلن فعلن	مفعول مفاعیلن
فعلن فعلن فع	فعل مفاعیلن
فعلن فعلن فعلن	مفعول مفاعیلن

ان دونوں اوزان کو ماہیے کی عوامی اور فلمی دھنوں پر روانی کے ساتھ گنگنایا جا رہا ہے۔ کہیں جھٹکا لگنے یا اٹکنے کا احساس نہیں ہوتا۔ اب یوں کریں کہ اوپر والی ساری دھنوں پر باری باری ان دو اوزان کو بھی گنگنا کر پرکھنے کی کوشش کریں:

فعلن فعلن فعلن	مفعول مفاعیلن
فعلن فعلن فعلن	مفعول مفاعیلن
فعلن فعلن فعلن	مفعول مفاعیلن

یہاں آپ دوسرے مصرعوں کو سہولت اور روانی کے ساتھ نہیں گنگنا پائیں گے کیونکہ ماہیے کی دھن دوسرے مصرعے کو اسی صورت میں رواں کر سکے گی جب اس کا ایک سبب کم ہوگا۔ جب ماہیے کا دوسرا مصرعہ، پہلے اور تیسرے مصرعے سے ہم وزن ہونے کی صورت میں ہی لَے سے باہر ہو رہا ہے تو ایک سبب زائد ہونے کی صورت میں کیسے دھن میں لایا جا سکے گا۔

اس سیدھے سادھے اور آسان تجربے سے واضح ہو جاتا ہے کہ ماہیے کا پہلا

مصرعہ اور تیسرا مصرعہ تو ہم وزن ہیں لیکن دوسرا مصرعہ ان کے وزن سے ایک سبب یعنی دو حروف کم ہے۔ اگر تحریری صورت میں پنجابی ماہیے کا دوسرا مصرعہ کبھی پہلے اور تیسرے مصرعوں سے ایک سبب زائد اور کبھی ہم وزن نظر آتا ہے تو ایسا صرف پنجابی زبان کی لچک کے باعث نظر آتا ہے۔ پنجابی زبان کا یہ لچکیلا پن لسانی قواعد وضوابط کی عدم موجودگی کے باعث ہے۔ تاہم ماہیے کی دھن سے ماہیے کا وزن نہ صرف واضح طور پر مل جاتا ہے بلکہ اس سے ساری غلط فہمیاں بھی دُور ہو جاتی ہیں۔ ماہیے کے وزن کی تقسیم کے سلسلے میں یہ ایک اہم اور بنیادی نکتہ ہے جس سے بالخصوص ماہیے کے دوسرے مصرعہ کے فرق کی نزاکت کو باآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

ماہیے کی دھن کا اعجاز ہے کہ اس نے نہ صرف ماہیے کے وزن کا پوری طرح تحفظ کیا ہے بلکہ اس کی بقا اور ارتقاء کی بھی ضمانت بن گئی ہے۔ یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہئے کہ ماہیا عوامی گیت ہے۔ یہ گائی جانے والی شاعری پہلے ہے اور لکھی جانے والی، پڑھی جانے والی شاعری بعد میں ہے۔ وہی ماہیا حقیقی معنوں میں ماہیا ہے جو سہولت اور روانی کے ساتھ ماہیے کی مخصوص دھن میں گایا/گنگنایا جا سکتا ہے۔

پنجابی میں ماہیے کہتے وقت دوسرے مصرعے کے وزن کے باریک فرق کا اس لئے خیال نہیں کرنا پڑتا کہ پنجابی زبان کی لچک خود ہی اسے سنبھال لیتی ہے لیکن اردو زبان میں چونکہ ایسی عمومی لچک نہیں ہے اور اردو میں ماہیے کہتے وقت اردو قواعد کے مطابق ہی چلنا پڑتا ہے۔ اس لئے اردو میں ماہیے کہتے وقت اس کے دوسرے مصرعے کے حساس فرق کو ملحوظ رکھنا بے حد ضروری ہے۔ جو لوگ اس فرق کو ملحوظ نہیں رکھ سکے انہوں نے ماہیے نہیں لکھے ثلاثی قسم کی کوئی چیز لکھی ہے۔

☆☆☆☆

اُردو میں ماہیا نگاری کی ابتدا

چراغ حسن حسرت کلکتہ کے اخبار ''نئی دنیا'' میں کولمبس کے نام سے فکاہی کالم لکھا کرتے تھے۔۱۹۳۰ء کے بعد وہ کلکتہ سے لاہور آ گئے۔ یہاں وہ مختلف اخبارات سے منسلک رہے ہیں۔انہوں نے ۱۹۳۷ء میں پنجابی ماہیے کے حسن سے متاثر ہوکر اردو میں چند ''ماہیے'' کہے ان کے ایسے دو ''ماہیے'' دیکھیں:

باغوں میں پڑے جھولے
تم بھول گئے ہم کو
ہم تم کو نہیں بھولے

راوی کا کنارا ہو
ہر موج کے ہونٹوں پر
افسانہ ہمارا ہو

پنجابی ماہیے کی جادوگری اور چراغ حسن حسرت کی ماہیے سے محبت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔لیکن حسرت پنجابی ماہیے کے وزن کی نزاکت کا خیال نہیں رکھ سکے۔نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے تین یکساں مصرعوں کے ''ماہیے'' لکھ دیئے۔ان ماہیوں کے لگ بھگ ۲۰ سال بعد فلم پھاگن آئی تو اس کے ایک گیت میں پہلی بار پنجابی ماہیے کے درست وزن کے مطابق اردو ماہیے پیش کئے گئے۔اس فلم کے پروڈیوسر اردو کے مشہور ادیب راجندر سنگھ بیدی تھے اور مذکورہ ماہیے قمر جلال آبادی نے لکھے تھے۔ان ماہیوں کو محمد رفیع اور آشا بھونسلے نے گایا تھا:

تم روٹھ کے مت جانا
مجھ سے کیا شکوہ
دیوانہ ہے دیوانہ

کیوں ہو گیا بے گانہ
ترا مرا کیا رشتہ
یہ تو نے نہیں جانا

☆

میں لاکھ ہوں بے گانہ
پھر یہ تڑپ کیسی
اتنا تو بتا جانا

فرصت ہو تو آ جانا
اپنے ہی ہاتھوں سے
مری دنیا مٹا جانا

اب تک کی معلومات کے مطابق یہ ماہیے اردو کے سب سے پہلے ماہیے ہیں جو پنجابی ماہیے کے وزن پر پورے اترتے ہیں۔اس لحاظ سے قمر جلال آبادی اردو کے سب سے پہلے ماہیا نگار قرار پاتے ہیں۔

اس گیت کے چند برس بعد اردو کے ایک اور معروف اور ممتاز شاعر ساحر لدھیانوی نے بھی اردو ماہیے لکھے۔یہ ماہیے فلم ''نیا دور'' کے لئے محمد رفیع نے گائے تھے۔قمر جلال آبادی کے ماہیے اس وزن کے مطابق تھے۔

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فع
فعلن فعلن فعلن

ساحر لدھیانوی نے ماہیے کے دونوں اوزان میں زحافات کی رعایت کے ساتھ اپنے ماہیے پیش کئے۔

دل کے لے دغا دیں گے — مفعول مفاعیلن
یار ہیں مطلب کے — فعل مفاعیلن
یہ دیں گے تو کیا دیں گے — مفعول مفاعیلن

☆

دُنیا کو دکھا دیں گے — فعلن فعلن فعلن
یاروں کے پسینے پر — فعلن فعلن فع
ہم خون بہا دیں گے — فعلن فعلن فعلن

ساحر لدھیانوی اور قمر جلال آبادی اس لئے درست پنجابی وزن کے مطابق ماہیے لکھ سکے کہ انہوں نے اردو ماہیے لکھتے وقت پنجابی ماہیے کو کسی عروضی حوالے سے سمجھنے کی بجائے اسے اس کی دھن کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کی اور کامیاب رہے۔

ماہیے کی اصل دھن میں قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی کے ماہیے ۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۰ء کے عرصہ میں آئے۔ اسی عرصہ کے دوران بشیر منذر، عبدالمجید بھٹی، منیر عشرت اور ثاقب زیروی نے تین ہم وزن مصرعوں کے ثلاثی پیش کئے۔ تاہم ابھی ماہیا نگاری کو تحریک کی صورت نہیں ملی تھی۔ اردو میں ماہیا نگاری کی موجودہ تحریک کا سلسلہ اسی کی دہائی میں ہونے والے ''تجربے'' سے براہ راست جوڑا جا سکتا ہے۔ ۱۹۸۳ء میں علی محمد فرشی کے تین ہم وزن مصرعوں کے ثلاثی ''ماہیے'' کے طور پر چھپے۔ علی محمد فرشی کے چند ''ماہیے'' پاکستان ٹیلی ویژن سے ٹیلی کاسٹ کئے گئے تھے۔ ان کی گائیکی سن کر ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ماہیے کی اصل لے میں نہ آنے کے باعث انہیں گانے والا بھی مشکل میں ہے اور گائیکی کا انداز بھی پنجابی کی کسی بھی دھن سے میل نہیں کھا رہا۔ علی محمد فرشی حقیقتاً تین ہم وزن مصرعوں کے ہائیکو لکھنے کے بعد تین ہم وزن مصرعوں کے ماہیے لکھنے لگے تھے۔ تحریری صورت میں اردو میں ہائیکو کا تجربہ ویسے بھی ہلکا پھلکا سا تھا۔ ایسے میں ماہیے کے مزاج سے قریب ثلاثی سامنے آئے تو قارئین ادب نے انہیں پسند کیا۔ علی محمد فرشی کے بعد نصیر احمد ناصر اور سیدہ حنا نے بھی ''ماہیا نگاری'' کا آغاز کیا۔ یہ دونوں بھی پہلے تین یکساں مصرعوں کے ہائیکو لکھ رہے تھے۔ چونکہ ہائیکو کے اصل وزن کا مسئلہ سامنے آ رہا تھا اس لئے ان دونوں شعراء نے بھی ''ماہیے'' کی طرف زیادہ توجہ دینا شروع کر دی لیکن ہائیکو نگاری کی طرح ماہیا نگاری میں بھی تین یکساں وزن کے مصرعے ہی لکھنے لگے۔ اس میں مذکورہ بالا تینوں شعراء کا کوئی قصور نہیں تھا کیونکہ تینوں ہی ماہیے کے دوسرے مصرعے کے نازک فرق سے بے خبر تھے۔ یہاں علی محمد فرشی، نصیر احمد ناصر اور سیدہ حنا کے چند ثلاثی بھی دیکھ لیں جو انہوں نے ماہیے کے نام سے چھپوائے:

جو فرق تھا زر کا تھا
تعبیر محل کی وہ
میں خواب کھنڈر کا تھا

کفنی کوئی سلتی ہے
کب اس کو خبر میری
اس شہر میں ملتی ہے

(علی محمد فرشی)

ہاتھوں کی لکیروں میں
اک نام سلگتا ہے
بے آب جزیروں میں

سُنتا ہے نہ کہتا ہے
گُم اپنے خیالوں میں
پاگل کوئی رہتا ہے

(نصیر احمد ناصر)

کیچڑ میں کنول دیکھا
بے آسرا بچے کو
روتے ہوئے کل دیکھا

اک فاختہ بیٹھی ہے
پنکھ اس نے سمیٹے ہیں
لگتا ہے کہ زخمی ہے

☆

دیمک لگی الماری
اب اس میں رکھا کیا ہے
بیمار رہے بے چاری

چاندی کی کٹوری ہے
بیوی مرے بھائی کی
کہتے ہیں چٹوری ہے

(سیدہ حنا)

نصیر احمد ناصر اور علی محمد فرشی کے مقابلے میں سیدہ حنا کی ''ماہیا نگاری'' زیادہ مقبول ہوئی۔ بھارت کے دیپک قمر براہ راست ان سے متاثر ہوئے۔ وصی محمد وصی نے اثر قبول کیا، پھر یہ سلسلہ بڑھتا گیا۔ یوں علی محمد فرشی کی اولیت کے باوجود غلط وزن کے ماہیوں کو سیدہ حنا کے ذریعے فروغ حاصل ہوا۔ ماہیوں میں تین یکساں وزن کے مصرعوں کی غلط روش بے خبری کے باعث عام ہوئی، پھر اس کا ایسا بے محابا استعمال ہونے لگا کہ ہر

شاعر نے من چاہا وزن گھڑ لیا۔ وزن کے گمراہ کن استعمال کی یہ مثالیں بھی دیکھ لیں:

شجر سے ٹوٹا	نکال خنجر
سکوت جیسے	برہنہ سر ہے
حجر سے ٹوٹا	سنبھال خنجر

(ماہیے از فیروز مرزا مطبوعہ دوماہی گلبن احمد آباد شمارہ جولائی اگست ۱۹۹۳ء)

آنکھوں میں بھری ہے ریت
طوفان کے ہاتھوں سے
پامال ہوئے میرے کھیت

رنگین اندھیرے میں
تری یاد مجھے لے لیتی ہے
بانہوں کے گھیرے میں

(ماہیے از سیما شکیب مطبوعہ سہ ماہی ارتکاز کراچی شمارہ اکتوبر ۱۹۹۵ء)

روشنی کا کہیں لشکر بھی نہیں
شب مرے شہر سے گزری لیکن
جاگتی صبح کا منظر بھی نہیں

راستے میں کہیں اشجار نہیں
دھوپ ہے آج بدن کی قسمت
دور تک سایہ دیوار نہیں

(ماہیے از شارق جمال ناگ پوری مطبوعہ: ماہنامہ ''نئی شناخت'' کٹک۔ جلد ۱، شمارہ ۲)

اگرچہ اب قفس میں بھی نہیں ہوں
میں نیلے پانیوں پر کیا اُڑوں گا
کہ اپنی دسترس میں بھی نہیں ہوں

مرے اندر کوئی تنہا بہت ہے
نہ جانے کیوں خوشی کی ساعتوں میں
لپٹ کر مجھ سے وہ روتا بہت ہے

(ماہیے از حسن عباس رضا۔ مطبوعہ ''اوراق'' لاہور۔ شمارہ جون، جولائی ۱۹۹۲ء)

ماہیے کے ساتھ یہ تماشا نوآموز شاعروں نے نہیں کیا۔ زیادہ تر ایسے شعراء ہیں جو ایک عرصہ سے شاعری کر رہے ہیں اور ادب کی دنیا میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ جب ماہیا نگاری کے لئے اصل پنجابی ماہیے کے وزن کی پابندی اٹھا لی جائے گی تو پھر ان سے بھی بڑھ کر آزاد ''ماہیے'' لکھے جائیں گے۔

چراغ حسن حسرت کے ''ماہیوں'' کے لگ بھگ بیس سال کے بعد پہلے قمر جلال آبادی نے پھر ساحر لدھیانوی نے کسی بحث کے بغیر اردو میں درست وزن کے ماہیے پیش کر کے اصلاح کی ایک صورت نکالی تھی۔ پھر ان سے لگ بھگ بیس سال کے بعد جب نئی نسل کے بعض شعراء ماہیے کی طرف راغب ہوئے تو انہوں نے بھی بے خبری کے باعث چراغ حسن حسرت والا وزن اختیار کیا۔ اس غلط روش کی طرف توجہ کرنے میں بھی تقریباً دس سال کا عرصہ لگ گیا۔

ماہیے کے وزن کی درستی کے سلسلے میں سب سے پہلے ممتاز عارف نے توجہ دلائی۔ ''اوراق'' شمارہ اگست ۱۹۹۰ء میں ان کا یہ خط شائع ہوا:

''اوراق کے تازہ شمارے میں جو ماہیے شائع ہوئے ہیں وہ غنائیت سے تو واقعی لبریز ہیں لیکن ماہیے کا جو ایک مخصوص وزن ہے بعض ماہیے اس پر پورا نہیں اترتے۔

مثلاً" دل اس سے لگا بیٹھے/ اک شخص کی چاہت میں/ ہم جان گنوا بیٹھے ☆
پانی پہ جمی کائی/ کیا لطف محبت کا/ جب دل میں بدی آئی ۔۔۔۔میری ناقص رائے اور معلومات کے مطابق ماہیے کا روایتی اور درست وزن ایسے ہے:
باغوں میں پڑے جھولے/ تم ہمیں بھول گئے/ ہم تم کو نہیں بھولے۔۔۔۔۔۔۔ ماہیا چونکہ بنیادی طور پر پنجابی کی صنف ہے اس لئے دو مثالیں پنجابی ماہیوں کی ملاحظہ فرمائیں: کوئی کا ناوے کھاری دا/ دکھیاں بندیاں نو/ انج طعنہ نئیں ماری دا
ممٹی اُتے کاں بولے/ چٹھی آئی سجناں دی/ وچ میرا وی ناں بولے۔ یہ بات اپنی جگہ لائق تحسین ہے کہ آپ ماہیے (اردو ماہیے) کی روایت کو آگے بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس سلسلہ میں آپ ماہیے کو خوب سے خوب تر بنانے کی تحریک چلا رہے ہیں۔لیکن میری گزارش ہے کہ ماہیوں کی اشاعت کے وقت ماہیے کے مخصوص وزن کو پیشِ نظر ضرور رکھیں''۔

ممتاز عارف نے ماہیا کے درست وزن کے سلسلے میں بجا طور پر نشاندہی کی تھی۔لیکن ان سے غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے حسرت کے اس ''ماہیے'' کو درست وزن میں کر دیا جو حقیقتاً تین یکساں مصرعوں پر مشتمل تھا۔ مذکورہ ''ماہیے'' کا دوسرا مصرعہ ''تم بھول گئے ہم کو'' ہے اور درست وزن میں لانے کے لئے اسے ''تم ہمیں بھول گئے'' ہی کرنا چاہئے تھا لیکن ممتاز عارف نے ازخود تصرف سے کام لے کر غلط مثال دی تھی۔ممتاز عارف کی بیان کردہ مثال پر انحصار کے نتیجہ میں آگے چل کر درست وزن والوں کو حق پر ہونے کے باوجود ایک بار خفت کا سامنا کرنا پڑا، جب غلط وزن والوں نے اس بحث کو علمی اور تحقیقی انداز میں آگے بڑھانے کی بجائے مناظرانہ رنگ دینے کی کوشش کی۔ ہر چند علمی اور تحقیقی کام میں مناظرانہ رنگ زیادہ دیر تک اور دور تک نہیں چل سکتا کیونکہ اہل علم کے نزدیک وقتی جملے بازی نہیں، حقائق معتبر ہوتے ہیں۔تاہم اگر ممتاز عارف نے قمر جلال آبادی یا ساحر لدھیانوی کے ماہیوں کے حوالے دیئے ہوتے تو اچھا تھا۔ممتاز

عارف کے خط کی اشاعت کے نتیجہ میں، میں نے ماہیے کے وزن پر کافی غور کیا۔اسی غور و خوض کے دوران ایک لہر میں مجھ سے چند ماہیے بھی ہو گئے۔ یہ ماہیے ماہنامہ ''ادب لطیف'' لاہور کے شمارہ نومبر ۱۹۹۰ء میں شائع ہوئے۔ان میں سے چند ماہیے یہ ہیں:

سوہنی ہے نہ ہیر ہے وہ
اس کی مثال کہاں
آپ اپنی نظیر ہے وہ

آنکھوں میں ستارے ہیں
ہجر کی شب میں بھی
وہ پاس ہمارے ہیں

☆

کچھ ہم نے ہی پی لی تھی
یا پھر سچ مچ ہی
وہ آنکھ نشیلی تھی

مل مہکی فضاؤں سے
یار نکل باہر
اندر کے خلاؤں سے

نومبر میں یہ ماہیے چھپے اور دسمبر ۱۹۹۰ء کے ''اوراق'' میں میرا ایک خط شائع ہوا۔ جس میں ممتاز عارف کے موقف کی حمایت کرتے ہوئے اس وقت کے ''ماہیا نگاروں'' کو واضح مشورہ بھی دیا گیا۔اس خط کا متعلقہ حصہ پیش ہے:

''ممتاز عارف نے اپنے خط میں ماہیے کے وزن کا مسئلہ اٹھایا ہے جو خاصا وزن رکھتا ہے۔میرا خیال ہے کہ ہمارے ماہیا نگاروں کو باہم طے کر لینا چاہئے کہ انہیں اردو ماہیے کو اصل پنجابی ماہیے کی طرح رکھنا ہے یا اس کا حشر بھی ہائیکو جیسا کرانا ہے''۔

میرے اس مشورے پر کسی ''ماہیا نگار'' نے توجہ نہ فرمائی۔''ادب لطیف'' میں میرے ماہیوں کی اشاعت کے بعد ''تجدید نو'' شمارہ اگست ۱۹۹۱ء میں اور سہ ماہی ''ابلاغ'' شمارہ جولائی تا ستمبر ۱۹۹۱ء میں میرے ماہیے شائع ہوئے۔''ادب لطیف'' اور ''تجدید نو'' میں چھپنے والے ماہیوں کے خلاف تو کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا لیکن ابلاغ میں میرے ماہیے چھپتے ہی شدید ردعمل کا مظاہرہ کیا گیا (کرایا گیا)۔شاید ایسا اس لئے ہوا کہ سیدہ حنا اس رسالے کی مدیرہ تھیں۔ وصی محمد وصی کے نامناسب خط اور سید حامد

سروش کی مناظرانہ حاشیہ آرائی سے یہ فائدہ ہوا کہ ماہیے کے وزن کا مسئلہ نمایاں ہوکر سامنے آ گیا اور مسئلہ نمایاں ہوکر سامنے آنے سے شعرائے کرام کو ماہیے کے اصل وزن کا علم ہونے لگا چنانچہ پھر اصل وزن کی حمایت میں سنجیدگی سے اور تفصیل سے اظہار ہونے لگا اور ماہیے کے خدوخال کو سمجھنے کی کوشش ہونے لگی۔

☆☆☆☆

ماہیے کے وزن اور مزاج کی بحث

(۱۹۹۲ء تا ۱۹۹۳ء)

۱۹۹۲ء میں ماہیے کے وزن کی بحث ادبی رسائل میں وضاحتی خطوط سے آگے بڑھی۔ پروفیسر افتخار احمد نے اس موضوع میں دلچسپی لی۔ میرے ساتھ ان کی کئی نشستیں ہوئیں۔ پھر انہوں نے ''اردو ماہیے'' کے عنوان سے ایک مختصر مضمون لکھا۔ یہ مضمون ماہنامہ ''صریر'' کراچی کے شمارہ اگست ۱۹۹۲ء میں اور ماہنامہ ''تجدید نو'' کے شمارہ اکتوبر ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں انہوں نے ماہیے کے وزن کے سلسلے میں بتایا کہ یہ وزن یوں ہے۔

مفعول مفاعیلن
فعل مفاعیلن
مفعول مفاعیلن

انہوں نے یہ وضاحت بھی کی کہ ماہیے کے دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کم کرنے کی بجائے ایک حرف ملفوظی کم کرنے سے بھی یعنی فعل مفاعیلن کی جگہ فعلن مفاعیلن سے بھی کام چل جاتا ہے۔ انہوں نے یہ پتے کی بات لکھی :

''اگر پنجابی ماہیے کے تینوں مصرعے یکساں نہیں ہیں تو پھر اردو کے کسی بھی شاعر کی سند پیش کرنا مناسب نہیں ہے۔ اردو کے کسی اچھے سے اچھے شاعر نے بھی اگر ماہیے لکھتے وقت پنجابی ماہیے کا وزن ملحوظ نہیں رکھا تو یہ اس کی غلطی ہے۔ ایسے ماہیے ثلاثی قسم کی چیز تو کہلا سکتے ہیں ''ماہیے'' ہرگز نہیں۔ پروفیسر افتخار احمد کے مضمون نے اہل علم کو

فوراً اپنی طرف متوجہ کیا، چنانچہ نوجوان نقاد اور انشائیہ نگار ناصر عباس نیرّ نے ماہنامہ ''صریر'' کے شمارہ اکتوبر۱۹۹۲ء میں اپنی رائے دیتے ہوئے واضح الفاظ میں لکھا:

''اردو ماہیے کو پنجابی ماہیے کے وزن کے ہاتھ پر بیعت کرنی ہوگی''۔

پروفیسر ڈاکٹر عرش صدیقی نے ماہنامہ تجدید نو دسمبر۱۹۹۲ء میں اپنے ایک مضمون میں جہاں پروفیسر افتخار احمد کے موقف سے اتفاق کیا، وہیں کچھ نئی باتیں بھی کیں۔۔۔۔لیکن ان کے مضمون کے ذکر سے پہلے اپنے ایک مضمون کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ ماہنامہ ''صریر'' کے دسمبر۱۹۹۲ء کے شمارہ میں میرا ایک مضمون شائع ہوا۔''ماہیا اور اس کا دوسرا مصرعہ'' اس مضمون میں ماہیے کا وزن میں نے بھی وہی بیان کیا جو افتخار احمد لکھ چکے تھے۔ تاہم اس میں ماہیے کی صنف کا تھوڑا سا تعارف اور اس کے مختلف موضوعات کے تذکرہ کے ساتھ پنجاب کے دیہاتی ماہیوں اور فلمی ماہیوں کی مثالیں دے کر ماہیے کے وزن کو واضح کیا۔ میں نے اس مضمون میں تین ہم وزن مصرعوں کے غلط ماہیے لکھنے والوں کے بارے میں لکھا کہ:

''ابتداء میں جن شعراء نے اسے اپنایا یا بعد میں آنے والوں نے انہیں کی تقلید کی اور یوں گزشتہ چند برسوں میں اردو ماہیا بھیڑ چال کا شکار رہا۔ تین یکساں مصرعوں میں ماہیے لکھنے والوں کو ماہیا نگاری میں تو سہولت ہوگئی لیکن اس سے پنجابی ماہیے کی روح اور جسم دونوں کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ اصل پنجابی وزن کے مطابق ماہیے لکھ کر ہمیں تھوڑی بہت محنت ضرور کرنا پڑے گی لیکن اس سے جہاں ہم ماہیے کی ثقافتی جڑوں سے منسلک ہوں گے وہیں اردو میں بھی ایک انوکھا اضافہ ہوگا''۔

پروفیسر عرش صدیقی نے پروفیسر افتخار احمد کے مضمون ''اردو ماہیے'' پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے یہ پتے کی بات کی کہ ماہیے کا وزن مفعول مفاعیلن کے مطابق بھی ہوسکتا ہے اور فعلن فعلن فعلن کے مطابق بھی۔ دراصل پنجابی میں تنویر بخاری نے ماہیے کا وزن مفعول مفاعیلن بیان کیا تھا جبکہ ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری نے اسے

فعلن فعلن فعلن قرار دیا تھا۔لیکن اردو والے ابھی اس سے واقف نہیں ہوئے تھے۔ البتہ ایسا ضرور ہورہا تھا کہ میرے بعض ماہیے (پہلے اور تیسرے مصرعوں میں) مفعول مفاعیلن کے مطابق ہوتے تھے اور بعض تین بار فعلن کے مطابق۔ ابھی تک عروضی صورت حال ہمارے سامنے پوری طرح واضح نہیں ہوئی تھی۔بس ماہیوں کو گنگنا کر پنجابی دھن پر پرکھنے کے باعث دونوں اوزان میں ماہیے ہورہے تھے۔اسی وجہ سے میں بھی اور پروفیسر افتخار احمد بھی، ہم دونوں شروع میں اس غلط فہمی کا شکار رہے کہ دوسرے مصرعہ میں فعل مفاعیلن کی جگہ فعلن مفاعیلن بھی لایا جاسکتا ہے۔ پروفیسر عرش صدیقی نے اس غلط فہمی کو دور کیا اور اردو دنیا کو فعلن فعلن فعلن والے وزن سے باخبر کیا۔انہوں نے لکھا:

''یہ بات درست ہوگی کہ ماہیے کے لئے مفعول مفاعیلن اور فعلن فعلن فعلن کے دونوں اوزان بالکل درست ہیں۔ان دونوں اوزان سے اگر ایک ایک سبب کم کر دیا جائے تو زیادہ پریشانی نہیں ہوتی بلکہ فعلن والی بحر میں تو یہ عین فطری قواعد کے مطابق ہوتا ہے''۔ پروفیسر عرش صدیقی نے ماہیے کے وزن کی بحث کو سمیٹتے ہوئے اپنا موقف یوں واضح کیا:

''اس رائے سے مجھے اختلاف نہیں کہ ماہیے کے دوسرے مصرعے میں پہلے سے ایک سبب کم ہوتا ہے۔ میں صرف اس میں یہ اضافہ کروں گا کہ کم بھی ہوسکتا ہے اور بیش بھی۔ یوں بنیادی وزن فعلن تین بار باہر رہے گا اور دوسرا مصرعہ تین ڈھائی یا ساڑھے تین بار بھی ہوسکے گا۔ پنجابی ماہیے میں یہ تینوں صورتیں ملتی ہیں''۔

اصل میں پروفیسر عرش صدیقی اپنے اخلاص کے باوجود ماہیے کی مخصوص دھن سے اس کا وزن دریافت کرنے کی بجائے پنجابی ماہیے کو اردو قواعد کے مطابق پرکھنے لگے تھے اسی لئے دوسرے مصرعہ کے وزن میں فعلن کے لئے ڈھائی بار سے بڑھ کر تین اور ساڑھے تین بار تک کے مغالطہ میں پڑ گئے۔ پروفیسر عرش صدیقی کے بیان کردہ تینوں

اوزان یہاں لکھ رہا ہوں۔ تینوں کو باری باری ماہیے کی کسی معروف دھن میں آزما کر
چیک کریں:

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فع (ڈھائی بار فعلن)
فعلن فعلن فعلن

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن علن (تین بار فعلن)
فعلن فعلن فعلن

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فعلن فع (ساڑھے تین بار فعلن)
فعلن فعلن فعلن

سوائے پہلے وزن کے کسی بھی وزن کو آپ ماہیے کی دھن میں نہیں گنگنا سکیں
گے۔ اس تجربے کا ذکر میں شروع میں بھی کر آیا ہوں اور اسی آسان تجربے سے ماہیے
کے وزن کو اس کی دھن سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

۱۹۹۲ء کے سال میں ماہیے کے وزن کی بحث سے جہاں اس کے خدوخال
نمایاں ہوئے وہیں درست وزن میں ماہیا نگاری کا احساس بھی پیدا ہوا۔ چنانچہ میں جو
۱۹۹۰ء سے اکیلا ہی درست وزن میں ماہیے کہہ رہا تھا۔ اکتوبر ۱۹۹۲ء کے تجدید نو میں
میرے ساتھ کچھ اور دوست بھی آن ملے۔ یہ نئے ماہیا نگار سعید شباب، اجمل جنڈیالوی
اور نوید رضا تھے۔ دسمبر ۱۹۹۲ء میں رانا غلام شبیر اور تنویر نوازش کے ماہیے بھی تجدید نو میں
چھپے۔ ان دونوں کے ماہیے زیادہ تر درست وزن میں تھے لیکن بعض ماہیوں میں جھٹکے بھی
محسوس ہو رہے تھے۔ ۱۹۹۳ء میں بھارت میں بھی درست وزن میں ماہیا نگاری کا سلسلہ
شروع ہوا۔ نذیر فتح پوری اور رشید اعجاز نے اس برس درست وزن میں ماہیے کہے جو
''اوراق'' کی زینت بنے۔ پاکستان میں بھی شعرائے کرام نے درست وزن کے ماہیے
کہنے شروع کر دیئے۔ امین خیال، غزالہ طلعت، نذر عباس، ارشد نعیم اور نوید رضا کے
ماہیوں نے وزن کی درستی میں اہم کردار ادا کیا۔ درست وزن کے بیشتر ماہیے ''اوراق''

لاہور، ''صریر'' کراچی، ''تجدید نو'' اسلام آباد، ''توازن'' بھارت اور ''اسباق''
بھارت میں شائع ہوئے۔

۱۹۹۳ء میں ماہیے کے وزن کے ساتھ اس کے مزاج کا مسئلہ بھی سامنے آیا۔
خاور اعجاز نے ''تجدید نو'' کے شمارہ فروری ۱۹۹۳ء میں اپنے مضمون میں ماہیے کے
دونوں اوزان کو درست مانتے ہوئے لکھا کہ ماہیے کے سلسلے میں وزن سے زیادہ اس
کے مزاج کو اہمیت دی جانی چاہئے جبکہ ماہنامہ ''صریر'' کے شمارہ جون، جولائی ۱۹۹۳ء
میں ڈاکٹر فہیم اعظمی کی یہ رائے سامنے آئی: ''ماہیے کی انفرادیت مضمون اور معنی میں نہیں
بلکہ ہیئت یا اوزان میں ہے''۔۔۔۔۔۔ یہ دونوں آراء الگ الگ طور پر ماہیے کی تصویر
کا صرف ایک رخ پیش کر رہی تھیں کیونکہ ماہیے کا پورا تاثر ماہیے کی ہیئت (درست
وزن) اور ماہیے کے مزاج سے مل کر بنتا ہے۔ ویسے خوشی کی بات ہے کہ خاور اعجاز نے
مزاج پر زیادہ زور دینے کے باوجود درست وزن ہی میں ماہیے کہے اور ڈاکٹر فہیم اعظمی
نے بھی ۱۹۹۴ء تک اپنے موقف کو مزید بہتر بنا لیا ''صریر، شمارہ ستمبر ۱۹۹۴ء میں انور مینائی
کے خط کے جواب میں، ان کے ایک ماہیے کے وزن کے ذکر میں ڈاکٹر فہیم اعظمی نے لکھا:

''دھن تو ٹھیک ہے لیکن موضوع احساس، وارفتگی، تمثال تو وہ نہیں ہوتے''۔

دھن کی صورت میں ماہیے کے وزن کے ساتھ، ماہیے کے موضوع، احساس،
وارفتگی اور جذبات وغیرہ کا ذکر کر کے ڈاکٹر فہیم اعظمی نے ماہیے کے مزاج کی اہمیت کا بھی
احساس کیا ہے۔ یہاں اس حقیقت کا اعتراف کرنا ضروری ہے کہ شروع شروع میں اردو
ماہیے کے وزن کی درستی کی تحریک میں ماہنامہ ''صریر'' نے سب سے زیادہ خدمات انجام
دی ہیں۔ ڈاکٹر فہیم اعظمی نے نہ صرف ہمارے موقف سے اتفاق کیا بلکہ اسے فروغ دینے
میں پیش پیش رہے۔ ''صریر'' میں ماہیے کی بحث کو نمایاں کرنے کے لئے مضامین کی
اشاعت کے ساتھ ساتھ قارئین کے خطوط کے صفحات پر انہوں نے بارہا ہمارے موقف
کی تائید کی۔ تین یکساں مصرعوں کے ثلاثی کبھی بھی ماہیے کے عنوان سے ''صریر'' میں نہیں

چھاپے۔ایک نئے شاعر نثار ترابی نے اپنے ثلاثی کا مجموعہ ماہیے کے لیبل کے ساتھ پیش کیا ''صریر'' کے لئے اس کتاب کا اشتہار بنا کر بھیجا۔ڈاکٹر فہیم اعظمی نے وہ اشتہار تو چھاپ دیا لیکن اس میں ماہیے کے متعلق تمام الفاظ حذف کر دیئے۔''صریر'' کے شمارہ اگست۱۹۹۴ء کے صفحہ نمبر۸۲ پر چھپنے والے اس اشتہار کا متن یہ ہے:

معلوم کسے گوری/اڑتی ہوئی عمروں کی/کٹ جائے کہاں ڈوری

بارات گلابوں کی

شاعر:نثار ترابی

رابطہ : حمید ساغر 4۔چوہدری ولایت بلڈنگ،چوک وارث خان،مری روڈ،راولپنڈی فون559128

اقبال جوزف فون:8692188

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ابتدائی اور نازک مرحلے میں ماہیے کے سلسلے میں ''صریر'' کی خدمات ہر ادبی رسالے سے زیادہ ہیں۔۱۹۹۳ء میں بھارت کے معروف اردو روزنامہ ''ہندسماچار'' کی ۳۰ مئی کی اشاعت میں زاہد عباس کا ایک مضمون شائع ہوا۔''اردو میں ماہیا نگاری'' کے عنوان سے چھپنے والے اس مضمون میں وہی باتیں دہرائی گئی ہیں جو اس سے پہلے میں اور پروفیسر افتخار احمد لکھ چکے تھے۔تاہم اس مضمون کی اہمیت اور افادیت یوں بنتی ہے کہ یہ بھارتی پنجاب کے ایک معروف روزنامہ کے ذریعے بھارت میں ماہیے کے درست وزن کی پہچان اور تعارف کا باعث بنا اور اس کی گونج پاکستان کے ادبی رسائل میں بھی سنی گئی۔

ماہنامہ ''صریر'' شمارہ جون جولائی ۱۹۹۳ء میں سعید شباب کا ایک اہم مضمون ''ماہیے کی تفہیم میں پیش رفت'' شائع ہوا۔اس مضمون میں انہوں نے چراغ حسن حسرت کے ''ماہیوں'' کو ماہیے سے ان کے خلوص کا مظہر قرار دیا لیکن واضح کیا کہ:''وہ پنجابی ماہیے کی ساخت کو گہری نظر سے جانچ نہ سکے'' شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ پنجابی کلچر

سے جڑے ہوئے نہیں تھے''۔پھر انہوں نے قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی کے ماہیوں کا ذکر کر کے واضح کیا کہ ان شعراء نے۔۔۔۔۔''بغیر کسی بحث کے اس طریقے سے اردو دنیا کے سامنے ماہیے کے مثالی نمونے پیش کر دیئے تھے اور حسرت کی غلطی کی احسن طور پر نشاندہی کر دی تھی''۔۔۔انہوں نے ماہیا نگاری کی تازہ روش کا جائزہ لیتے ہوئے فراخ دلی سے یہ اعتراف کیا کہ:''ہر چند اس وقت دس سے زائد شعراء ماہیے کے اصل وزن کو ملحوظ رکھ رہے ہیں،تاہم مجھے اس اعتراف میں کوئی باک نہیں کہ دو تین شعراء کو چھوڑ کر باقی شعراء کے ہاں (مجھ سمیت) ماہیے کا اعلیٰ شعری معیار سامنے نہیں آ رہا۔ہر چند یہ ماہیے''ملے ہلارے''اور''پھوئیاں پھوئیاں پھہار'' جیسے ماہیوں سے کہیں بہتر ہیں لیکن اعلیٰ شعری معیار تک پہنچنے کے لئے ہم سب کو ابھی محنت اور ریاضت کرنی ہوگی''۔

''صریر'' کے اسی شمارہ میں ایم اے تنویر کا ایک مضمون ''اردو ماہیے پر اوزان کی پابندی'' بھی شائع کیا گیا۔اس مضمون میں ایم اے تنویر پر خود واضح نہیں کہ وہ ماہیے کے وزن کے سلسلے میں کیا موقف رکھتے ہیں۔مثلاً پہلے وہ خود سوال کرتے ہیں کہ:''ہم کیوں اردو ماہیے پر پنجابی ماہیے کے وزن کا اطلاق کریں''؟ گویا یہ تسلیم کرتے ہیں کہ پنجابی ماہیے کے وزن میں دوسرا مصرعہ ایک سبب کم ہوتا ہے۔لیکن آگے چل کر انہوں نے یہ کہا کہ اردو میں ماہیے کے دونوں اوزان کو قبول کر لینا چاہئے۔انہوں نے چند پنجابی ماہیے اور اردو کے تین یکساں مصرعوں کے ثلاثی ''ماہیے'' کے نام سے پیش کئے اور ساتھ ہی یہ دعویٰ کیا کہ ''مندرجہ بالا پنجابی اور اردو ماہیے میں آپ دوسرے مصرعے کا ایک رکن کم کر ہی نہیں سکتے اور اگر دوسرے مصرعہ کی جگہ کوئی اور مصرعہ ایک رکن کم کر کے لکھیں گے تو ماہیے کی ساری خوبصورتی ختم ہو کر رہ جائے گی''۔

جہاں تک پنجابی ماہیوں کو تین ہم وزن مصرعوں کے ماہیے سمجھنے کا تعلق ہے اس کا جواب کتاب کے شروع میں ''ماہیے کے وزن کا مسئلہ'' کے تحت بھی آ چکا ہے اور اس

حصے میں پروفیسر عرش صدیقی کے مضمون کے حوالے سے بھی وضاحت سے بیان ہو چکا ہے۔ اس لئے اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ جہاں تک ایم اے تنویر کے پیش کردہ اردو ماہیوں کا تعلق ہے، میں ان میں سے صرف دو ماہیوں کو ان کی اصل صورت میں پیش کرنے کے ساتھ اصل وزن میں بھی کر کے دکھاتا ہوں۔ درست وزن میں لانے سے نہ صرف ان کی شعری خوبصورتی قائم رہتی ہے بلکہ ان میں کفایت لفظی کی خوبی بھی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ ثلاثی سے ماہیے بھی بن جاتے ہیں:

شاعرہ کی پیش کردہ صورت	**ماہیے کے وزن میں لانے کی صورت**
ہر نقش مٹا ڈالا	ہر نقش مٹا ڈالا
تم نے تو محبت کی	تم نے محبت کو
اک کھیل بنا ڈالا	اک کھیل بنا ڈالا
(سیدہ حنا)	

☆

گلدان سجا رکھوں	گلدان سجا رکھوں
تم آؤ تو آنکھوں میں	آؤ تو آنکھوں میں
مسکان سجا رکھوں	مسکان سجا رکھوں
(شبہ طراز)	

مئی جون ۱۹۹۳ء کے ''اوراق'' لاہور میں ناصر عباس نیرؔ کا ایک اہم مضمون شائع ہوا۔ ''ماہیا'' اور اردو میں ماہیا نگاری''۔ یہ ایک عالمانہ مضمون تھا۔ ناصر عباس نیرؔ نے اسے خاصی محنت اور تحقیق کے بعد لکھا تھا۔ اس مضمون میں ماہیے کے مزاج کو اس کے ثقافتی اور نفسی حوالوں سے عمدہ طریقے سے واضح کیا گیا۔ ناصر عباس نیرؔ لکھتے ہیں:

''نقادوں نے پہلی لائن کو ''ضرورت شعری'' کی تخلیق قرار دیا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ پہلی لائن آخری لائن کی محض ''قافیائی ضرورت'' کی کفالت پر مامور نہیں۔ پہلی

لائن اصلاً ماہیے کے عقبی دیار کی طرف اشارہ کرتی ہے نیز پہلی لائن کی مدد سے اس تہذیبی دھارے سے وابستہ ہونے کی کوشش بھی کی جاتی ہے جس کی اخلاقیات سے ماہیا کہنے والا انحراف کرتا ہے''

لیکن اسی مضمون میں چند صفحات آگے چل کر ناصر عباس نیرؔ لکھتے ہیں:

''ماہیے کا پہلا مصرعہ ماہیے کے موضوع سے متعلق نہیں ہوتا مگر ماہیے کے شعری آہنگ کے تابع ہو کر اتنا برا بھی نہیں لگتا''۔ ناصر عباس نیرؔ کے ہاں اس تضاد اور کنفیوژن کا بھی ایک سبب ہے۔ اصل میں پنجابی ماہیوں میں بعض اوقات تو پہلے مصرعہ کا باقی ماہیے سے اتنا گہرا تعلق ہوتا ہے کہ ماہیا تہہ دار معنویت کا حامل نظر آنے لگتا ہے اور بعض اوقات ایسے بھی لگتا ہے کہ پہلا مصرعہ محض آخری مصرعہ کی قافیائی کفالت کر رہا ہے۔ ماہیے کے مزاج اور اس کے عقبی دیار کی نشاندہی میں ناصر عباس نیرؔ نے عالمانہ نکتہ آفرینی سے کام لیا ہے۔ چند اقتباسات دیکھیں:

''ماہیا ہمارے تہذیبی ارتقا کے ایسے مرحلے پر نمودار ہوا جب زرعی نظام مشینوں کی زد پر نہیں آیا تھا۔ زرعی نظام پر انسان کی قوت بازو اور جسمانی مشقت کا غلبہ تھا۔ چنانچہ رویوں اور اقدار کا ایک خاص سسٹم رائج تھا۔ اس سسٹم میں جدید صنعتی زندگی کی نفسیاتی پیچیدگی، جذباتی پراگندگی نیز ذہنی گہرائی اس قدر نہیں تھی۔ جذبہ ماحولیاتی آلودگیوں اور معدے کی بیماریوں کے مضرات سے پاک تھا۔ اس کا رخ بھی واضح تھا۔ چنانچہ جب یہ جذبہ ماہیے میں ظاہر ہوا تو کسی رمز و ایما اور ابہام سے مملو نہیں تھا۔ اپنے محبوب سے لپٹنے اور جسمانی وصال سے سیراب ہونے کی صاف سیدھی خواہش تھی جو ماہیے میں ظاہر ہوئی''۔

''ذہن بالعموم چیزوں کو اجزا میں بانٹ کر ان کی تفہیم کرتا ہے مگر جسم کا نظام خیال، تفہیم اور تجزیے کے چکر میں پڑنے کی بجائے اجزاء کو متحد کرنے اور ایک کل کی تشکیل دینے پر ہر دم مائل رہتا ہے۔ یوں بھی عورت فطرتاً جسمانی سطح کی تخلیق کاری میں

اپنا ثانی نہیں رکھتی۔عورت کے فطری مزاج کی یہی خصوصیت ماہیے میں پیش ہوئی ہیں''۔

''عورت سوائے چند گھریلو ذمہ داریوں کے (جن میں مرد سے اس کے ازدواجی تعلقات اور وفاداری اہم ترین تھی) کوئی دوسری معاشرتی خدمت انجام نہیں دے سکتی تھی۔ ماہیے میں چونکہ اسی عورت کی ''نفسی شخصیت'' سرایت کئے ہوئے ہے اس لئے ماہئے کے موضوعات محبت، رومان سے آگے معاشرتی سچائیوں اور کائناتی حقیقتوں کی سرحدوں تک نہیں جا سکے۔۔۔۔ ماہیے میں اگر کہیں زمانے کے دکھ درد، سماجی ناانصافیوں اور دیگر معاشرتی سچائیوں کا موضوع آیا بھی ہے تو شکایت کی صورت میں آیا ہے''۔

اُردو میں ماہیا نگاری کے حوالے سے ناصرعباس نیرؔ نے دو اہم باتیں کہی ہیں:

''پہلی بات یہ کہ ماہیا اردو ادب کے تمول کا باعث بن سکتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد اردو زبان میں مقامی زبانوں کے الفاظ کی آمیزش ایک باقاعدہ رجحان کی شکل اختیار کرگئی ہے۔ لسانی لین دین کا عمل نثر کی سطح تک محدود ہو تو ایک مزاحیہ صورت حال پیدا کرنے پر منتج ہوتا ہے جبکہ شاعری کی سطح پر غیر زبانوں کے الفاظ ''غیریت'' اور نامانوسیت کو تج کر اپنے محسوس ہوتے ہیں۔نثر میں لفظوں کو چمٹے سے پکڑ پکڑ کر اکٹھا کیا جاتا ہے جبکہ شاعری میں لفظ اور خیال کے درمیان کوئی فاصلہ، کوئی دوئی نہیں ہوتی، وہ شعری آہنگ میں یوں گھل مل جاتے ہیں جس طرح چینی پانی میں! ۔۔۔۔سو پنجابی الفاظ جب ماہیے کے توسط سے اردو میں پہنچیں گے تو واقعی اردو زبان وادب کے تمول کا باعث بنیں گے۔۔۔۔۔ دوسری بات یہ کہ ماہیے میں جذبے کے اظہار کی جو کھلی کھلی کیفیت ہوتی ہے وہ پیچیدہ دکھی زندگی کو ایک اعصابی نوعیت کی آسودگی فراہم کرسکتی ہے''۔

ماہیے کے وزن کے سلسلے میں ناصرعباس نیرؔ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ دوسرے مصرعہ میں ''ایک سبب'' کم رکھنے کا موقف بھی درست ہے اور تینوں مصرعے ہم

وزن رکھنے کا موقف بھی درست ہے کیونکہ پنجابی میں دونوں طرح کے ماہیے ملتے ہیں۔ یہاں ناصرعباس نیرؔ بھی پنجابی ماہیے کو صرف تحریری صورت میں دیکھ کر ایسی بات کہہ گئے ہیں جبکہ پنجابی زبان کی لچک کے باعث بظاہر ایسے ماہیے بھی مل جاتے ہیں جن کا دوسرا مصرعہ تحریری صورت میں بقول پروفیسر عرش صدیقی تین بار فعلن سے بڑھ کر ساڑھے تین بار فعلن کے وزن پر بھی ہوتا ہے۔لیکن یہ دھوکہ ہر اس محقق کو ہوگا جو ماہیے کو صرف تحریری صورت میں دیکھے گا۔اس کے برعکس جو بھی ماہیے کی دھن پر اسے آزمائے گا اسے ماہیے کا وزن سمجھنے میں کبھی بھی غلطی نہیں ہوگی۔ ناصرعباس نیرؔ نے ایک جگہ لکھا ہے:

''وزن کا مسئلہ اس قدر اہم نہیں ہے جتنا اہم ماہیے کے اصل مزاج اور عقبی دیار کو برقرار رکھنا ہے''۔۔۔۔ ماہیے کے اصل مزاج اور عقبی دیار کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن وزن کا مسئلہ ان سے زیادہ اہم ہے، کیونکہ جب ایک ماہیا اپنی ظاہری صورت میں ماہیا ہی نہیں ہوگا تو محض ماہیے کے مزاج سے کیا ہوگا۔ وزن ماہیے کے لئے جسم کا اور مزاج اس کے لئے روح کا درجہ رکھتا ہے۔تھوڑا آگے چلنے کے بعد ناصرعباس نیرؔ کو مزاج کے ساتھ وزن کی اہمیت کا بھی احساس ہوگیا۔ چنانچہ پھر ان کے موقف میں توازن پیدا ہو گیا: ''نئی صنف کی مخصوص ہیئت، خارجی خدوخال کی پابندی کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے منفرد داخلی اوصاف کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا''۔

ماہیے کے وزن کے سلسلے میں ناصرعباس نیرؔ کو جو مغالطہ ہوا، میں نے اس کے جواب میں ایک مضمون ''ماہیے کے وزن کا مسئلہ'' اوراق میں اشاعت کے لئے بھیجا جسے ''اوراق'' شمارہ نومبر، دسمبر۱۹۹۳ء میں خط کی صورت میں شائع کیا گیا۔ وزن کے سلسلے میں ان کی غلط فہمی کا تفصیلی جواب دینے کے بعد میں نے مضمون کے آخر میں لکھا:

''اردو شاعری کی تین بڑی روایات گیت، غزل اور نظم مجھے ماہیے میں یک جا ہوتی دکھائی دے رہی ہیں۔ ماہیا بنیادی طور پر ایک چھوٹی سی نظم ہے لیکن اس میں تین مصرعوں کے باوجود پہلے اور آخری مصارع میں قافیہ، ردیف کا التزام اسے غزل کے

شعر سے قریب کرتا ہے۔ پھر کوزے میں دریا بند کرنے کا غزل کے شعر کا وصف بھی ماہیے میں موجود ہے۔ مزاجاً ماہیا گیت جیسا ہے (اس حقیقت کا اظہار ناصر عباس نیرّ نے بھی کیا ہے) لہٰذا اگر اردو میں اس صنف کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا تو اس کے وسیع تر امکانات کھل کر سامنے آئیں گے لیکن اس کے لئے بے حد ضروری ہے کہ اس کی بنیادی اینٹ درست رکھی جائے۔ اس کے وزن کے معاملے میں دو طرح کے موقف سامنے آئے ہیں۔ ایک تو وہ ادبا جو غلط فہمی کے باعث نیک نیتی سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ شاید ماہیے کے تینوں مصارع ہم وزن ہیں، ان کی غلط فہمی کو اس طرح کے مضامین اور ادبی مباحث سے دور کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے وہ شعرائے کرام ہیں جو پہلے تو بے خیالی اور لاعلمی کے باعث تین یکساں وزن کے مصارع میں غلط ماہیے لکھتے رہے لیکن جب انہیں غلطی کی طرف توجہ دلائی گئی تو بجائے غلطی کی اصلاح کرنے کے اسے حق بجانب ثابت کرانے پر تل گئے''۔

''اوراق کے اسی شمارہ میں ملاپ چند کا ایک خط شائع ہوا۔ اس خط کا یہ اقتباس اہمیت کا حامل ہے:

''قطع نظر اس سے کہ پنجابی زبان میں زحافات کا کوئی ضابطہ نہیں ہے اس لئے ماہیے کے وزن کا تعین اس کی اصل دھن کی بنیاد پر ہی کیا جانا چاہئے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر ماہیا کی اصل دھن موجود نہ ہوتی تب بھی ناصر عباس نیرّ کے بیان کی بنیاد پر بھی اردو میں صرف وہی ماہیا قبول کیا جانا چاہئے تھا جس کے دوسرے مصرعے میں ایک سبب کم ہے کیونکہ تین یکساں مصرعوں کا ماہیا تو ثلاثی میں ضم ہو جاتا''۔

۱۹۹۳ء میں ایک اور اہم مضمون ''ماہیے کی ہیئت اور وزن'' سامنے آیا۔ غزالہ طلعت کا یہ مضمون ''صریر'' کے اکتوبر کے شمارہ میں شائع ہوا۔ غزالہ طلعت نے دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کم رکھنے کے موقف سے اتفاق کیا اور شکوہ کیا کہ: (جنہوں نے پہلے تین ہم وزن مصرعوں کے ''ماہیے'' لکھے) پہلے ان ''ماہیے کہنے والوں کو خوش

آمدید کہا گیا لیکن جب یہ سلسلہ چل نکلا تو پھر اس کا بھی سنجیدگی سے نوٹس لیا جانے لگا اور یہاں بھی ساری پہلی تعمیر شدہ عمارت کو منہدم کرنا پڑا۔ میں یہ نہیں کہتی کہ کسی تجربے کو غلط طور پر رواج دے دیا جائے تو اسے اس کی غلطی سمیت قبول کر لیا جائے۔ میں صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ کسی بھی تجربے کے آغاز ہی میں اس کی بنیادوں کی درستی چیک کر لینی چاہئے تا کہ پھر بعد میں پہلی تعمیر کو گرانے کی نوبت نہ آئے''۔

۹۳-۱۹۹۲ء اردو ماہیے کی تاریخ میں اس لحاظ سے بے حد اہم برس ہیں کہ ان دو برسوں میں ماہیے کے خدوخال اور مزاج کی بحث کے سلسلے میں نو مضامین لکھے گئے اور ہر مضمون میں ہمارے بیان کردہ وزن کو بہرحال تسلیم کیا گیا۔ جو ادباء کسی دوسرے وزن کو بھی روا سمجھ رہے تھے ان کی غلط فہمی کی وجہ اور پوری وضاحت بھی انہیں برسوں میں بیان کی گئی۔ یوں اردو میں ماہیے کو سمجھنے کے لئے ایسا بنیادی کام ہو گیا جس سے ماہیے کا وزن اور مزاج دونوں واضح ہو گئے۔ ان دو برسوں میں درست وزن میں ماہیا نگاری کی طرف بھی پیش قدمی ہوئی۔ امین خیال، سعید شباب، خاور اعجاز، نذیر فتح پوری، رشید اعجاز، غزالہ طلعت، رانا غلام شبیر، نوید رضا، تنویر نوازش، اجمل جنڈیالوی، شبہ طراز، ارشد نعیم، نذر عباس ان دو برسوں میں ماہیا نگار کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آئے۔ ہر چند ان میں سے دو تین ماہیا نگاروں کے ہاں وزن پر گرفت کمزور بھی دکھائی دیتی ہے، تاہم درست وزن کو اپنانے کا رویہ اب فروغ پانے لگا تھا۔

☆☆☆☆

ماہیے کے وزن اور مزاج کی بحث

(۱۹۹۴ء تا ۱۹۹۶ء)

مارچ ۱۹۹۴ء میں ماہنامہ ’’صریر‘‘ میں ریاض احمد صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ’’ماہیا وزن اور فن‘‘۔۔۔۔۔ریاض احمد اپنے مضمون میں جہاں جہاں اصل موضوع کی طرف آئے ہیں عموماً اہم اور کام کی باتیں کہہ گئے ہیں۔ تاہم وہ زیادہ تر اصل موضوع کو چھوڑ کر لسانی بکھیڑوں میں الجھے رہے اور اس میں بھی کبھی عربی کے حروف قلقلہ کا ذکر لے بیٹھے تو کبھی قومی ترانے کا، کبھی عربی کی کئی حروف تک پھیلتی چلی جاتی مسلسل حرکات میں الجھ گئے تو کبھی رباعی کے چوبیس اوزان کا تذکرہ کرنے لگے، کبھی عربی قصیدہ بردہ شریف اور قصیدہ غوثیہ کے عروضی اوزان بتانے لگے اور کبھی اقبال کی نظم مسجد قرطبہ کو قصیدہ بردہ شریف کی بحر کی ایک اور مزاحف صورت ثابت کرنے لگے۔ یہ ساری عالمانہ باتیں تھیں لیکن ماہیے کے وزن اور فن کے حوالے سے یہ غیر ضروری تھیں اور محض قاری کو ’’بوجھوں مارنے والی‘‘ تھیں۔ اس قسم کی طویل عالمانہ گفتگو کے بعد انہوں نے خود بھی اعتراف کیا ہے ’’مجھے احساس ہے کہ بات دور نکل گئی ہے۔ دراصل میں یہ وضاحت کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ پنجابی زبان کے مخصوص لہجے اور بعض مفرد حروف یا مرکبات کی مخصوص آوازوں کے باعث جو اردو زبان کی سبک یا چست آوازوں کے مقابلے میں بوجھل، کرخت، بل دار لہجے کی حامل ہیں ان کی چولیں مروجہ عروضی اوزان میں ٹھیک سے بیٹھتی نظر نہیں آتیں‘‘۔

ریاض احمد نے جس وضاحت کے لئے کوزے سے دریا بہا دیا ہے وہ سیدھے

سادھے الفاظ میں یوں بھی کہی جا چکی ہے کہ اردو زبان میں باقاعدہ قواعد وضوابط ہیں جن کے مطابق حروف کے استعمال میں رعایت سے فائدہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے اور جہاں رعایت نہیں ہے وہاں پابندی بھی کرنی پڑتی ہے۔ اردو کے برعکس پنجابی میں زحافات کے قواعد اور ضابطے نہ ہونے کے باعث لچک اتنی زیادہ ہے کہ ضروریات کے مطابق (کسی قاعدے کے مطابق نہیں، صرف شعری ضرورت کے مطابق، الفاظ کو کھینچ کر لمبا بھی کر لیا جاتا ہے اور گرا کر مختصر بھی کر لیا جاتا ہے۔ اس سیدھی سادی بات کو پنجاب کے تنویر بخاری سے لے کر۔۔۔کرناٹک کے انور مینائی تک متعدد ادبا کسی طوالت کے بغیر اچھے انداز میں بیان کر چکے ہیں۔ پھر اسے غیر ضروری طور پر طول دے کر، بکھیر کر اور الجھا کر بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ ریاض احمد جب اصل موضوع کی طرف آئے ہیں تو انہوں نے بنیادی نوعیت کی باتیں بھی بتائی ہیں مثلاً اس مضمون کے یہ چار اہم اقتباس دیکھیں:

’’ماہیا پنجابی زبان کی ایک مقبول دھن ہے۔ اس کے بول عوامی فنکاروں کے ترتیب دیئے ہوئے ہوتے ہیں جن سے قصداً کسی عروضی وزن کی پابندی کا تقاضا ظاہر ہے کہ بے سود ہے۔ تاہم ان بولوں کے آہنگ میں عروضی وزن کی تلاش کچھ اتنا بے معنی عمل بھی نظر نہیں آتا‘‘۔

’’جو نکتہ ہاتھ آتا ہے وہ یہ ہے کہ عروضی وزن (جو متحرک اور ساکن حروف کی ترتیب سے پیدا ہوتا ہے) کے مقابلے میں پنجابی اوزان میں موسیقی کے بنیادی تصورات مثلاً سرتال وغیرہ کی مدد سے آہنگ کو اس طرح نمایاں کیا جاتا ہے کہ عروضی وزن اس آہنگ کو مدنظر رکھے بغیر مقرر کرنا مشکل ہو جاتا ہے‘‘۔

’’ماہیا صرف ایک شاعری کی صنف ہی نہیں، ایک لے یا سر کا نام بھی ہے‘‘۔

’’ماہیا دراصل گانے کی چیز ہے۔ تحت اللفظ سننے، سنانے کی یہاں کوئی روایت نہیں۔ گانے کے لئے سر اور تال کی اہمیت زیادہ ہے‘‘۔

ریاض احمد صاحب کی یہ بات بالکل درست ہے کہ ماہیا بنیادی طور پر گائی جانے والی شاعری ہے جس کی اپنی ایک لے (دھن) ہے۔اسی دھن کے ذریعے سے ماہیے کے وزن کو آسانی سے دریافت کیا جا سکتا ہے۔ان حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاض احمد مسئلے کی تہہ تک پہنچ چکے ہیں لیکن تھوڑا آگے چل کر وہ پھر کنفیوژ ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔تنویر بخاری کے پیش کردہ چار پنجابی ماہیے درج کر کے انہیں اردو کے پیمانے پر پرکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکالتے ہیں:

''مروجہ ماہیے جنہیں لوک فنکاروں نے تخلیق کیا ہے وہ ہر جگہ مجوزہ بحر پر پورے نہیں اترتے۔دوسرے مصرعہ کے لئے لازمی نہیں کہ دوسرے دو مصرعوں سے چھوٹا ہو (بعض جگہ مقابلتاً لمبا ہو جاتا۔اس سے پہلے ریاض احمد کے مذکورہ مضمون کے جو پانچ اقتباسات دیئے گئے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ وہ پنجابی ماہیے کے وزن کو اس کی دھن (لے یا موسیقی) کے ذریعے متعین کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔یہ بالکل اصولی بات ہے لیکن پھر عملاً پنجابی زبان کی لچک کو یکسر نظر انداز کر کے پنجابی ماہیے کو اردو قواعد کے مطابق پرکھنا اور اسی بنیاد پر پھر ماہیے کے دوسرے مصرعے کو پہلے اور تیسرے مصرعہ سے کبھی چھوٹا، کبھی برابر اور کبھی لمبا قرار دے دینا حیران کن ہے۔کبھی کبھی ایسے بھی ہو جاتا ہے کہ آدمی کہہ کچھ رہا ہوتا ہے اور کر کچھ اور رہا ہوتا ہے۔بہر حال ریاض احمد کے مضمون سے یہ اصولی بات تو ملتی ہے کہ ماہیے کا وزن اس کی لے سے ہی طے ہو سکتا ہے۔

۱۹۹۴ء میں بھارت کے ادبی رسالہ دو ماہی ''گلبن'' احمد آباد شمارہ مئی جون میں میرا ایک خصوصی نوٹ ''ماہیے کے بارے میں چند باتیں'' کے عنوان سے شائع ہوا۔اسی برس ڈیلی جنگ لندن کی ۲ جون کی اشاعت میں ادبی صفحہ پر میرا ایک مضمون ''اردو میں ماہیا نگاری'' شائع ہوا۔ مذکورہ نوٹ اور مضمون دونوں تعارفی نوعیت کے تھے تاہم اس کے نتیجہ میں مزید شعرائے کرام درست وزن میں ماہیا نگاری کی طرف مائل ہوئے۔ایسے ماہیا نگاروں میں صدف جعفری، نیاز احمد مجاز اور اجمل پاشا کے نام قابل ذکر ہیں۔

''اوراق'' لاہور شمارہ جولائی اگست ۱۹۹۴ء میں نذیر فتح پوری اور رشید اعجاز کے ماہیوں کے ساتھ نثار ترابی کے ثلاثی بھی ''ماہیے'' کے طور پر چھپے۔میں نے ان پر تبصرہ کرے ہوئے مدیر ''اوراق'' کو ایک خط لکھا۔یہ خط ''اوراق'' کے شمارہ فروری، مارچ ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔اس خط کا ماہیے سے متعلقہ حصہ یہ ہے:

''رشید فتح پوری اور رشید اعجاز کے ماہیے اچھے لگے۔نثار ترابی ماہیے کے مزاج آشنا لگتے ہیں مگر وزن کی نزاکت کا خیال نہیں رکھ سکے۔کتنا اچھا ہو کہ اب وہ درست وزن میں ماہیے کہنے لگیں۔درست وزن میں ماہیا نگاری کا رجحان مسلسل بڑھ رہا ہے''۔

میرے مشورے سے شاید نثار ترابی صاحب کو احساس ہوا کہ اگر میری بات مان لی گی تو ان کے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا چنانچہ انہوں نے دوطرفہ کارروائی کی۔پی آر شپ کے زور سے اپنی بے جا تعریف کرانی شروع کی نیز میرے خط کے جواب میں خلط مبحث کی کوشش کرتے ہوئے ''اوراق'' میں خط چھپوایا۔پہلے ان کی بے جا پی آر شپ کی دو مثالیں دیکھ لیں:

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین کا ایک مضمون ''مختصر شعری ہیئتیں'' سہ ماہی ''ارتکاز'' کراچی کے شمارہ اکتوبر ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔اس میں ماہیے کے وزن کے سلسلے میں دونوں موقف بتائے گئے ہیں۔نثار ترابی کے بارے میں ڈاکٹر محمد امین لکھتے ہیں:

''بعض ناقدین نے نثار ترابی کی کتاب ''بارات گلابوں کی'' کو اردو ماہیے کا پہلا مجموعہ قرار دیا ہے''۔حالانکہ ثلاثی کو ماہیے کے نام سے پیش کرنے کا یہ چوتھا مجموعہ ہے۔''ارتکاز'' کے اسی شمارہ میں پروفیسر احسان اکبر ''بارات گلابوں کی'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: نثار ترابی کو یہ خصوصی اہمیت نصیب ہے کہ اردو میں ماہیے کا تعارف کے بعد دوبارہ اس چلن کا احیا اسی کے قلم سے ہوا''

حقیقت یہ ہے کہ نصیر احمد ناصر اور علی محمد فرشی جب غلط وزن کا تعارف کرا کے

ایسے ''ماہیے'' لکھنا چھوڑ گئے (فرشی صاحب اب پھر مائل ہونے لگے ہیں) تب سیدہ حنا کے ہاتھوں اس کا احیا ہوا۔ سیدہ حنا کے بعد دیپک قمر کی اہمیت بنتی ہے جو نثار ترابی سے پہلے ثلاثی کے تین مجموعے چھپوا چکے ہیں۔ نثار ترابی کا نام تو غلط وزن کی ''ماہیا نگاری'' میں بھی بہت بعد میں آتا ہے۔ ہاں شاندار پی آر شپ کے چال چلن کا احیا بے شک انہیں کے ذریعے ہوا۔

بھارت کے ایک رسالہ ماہنامہ ''تعمیر ہریانہ'' کے اکتوبر ۱۹۹۵ء کے شمارہ میں انور مینائی کا ''ماہیے۔ ایک مطالعہ'' کے عنوان سے ایک تعارفی نوعیت کا مضمون شائع ہوا۔ اس مضمون میں انور مینائی نے ماہیے کے وزن کے سلسلے میں دونوں موقف حوالوں کے ساتھ بیان کرنے کے بعد ماہیے کے دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کی کمی کے التزام کو درست قرار دیا۔ انور مینائی ایک جگہ لکھتے ہیں:

''مالک رام نے دیپک قمر کے ماہیوں کے دوسرے مجموعے ''پھوئیاں پھوئیاں پھہار'' کے فلیپ پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے اشارتاً یکساں طوالت والے مصرعوں پر مبنی ماہیوں پر یوں تنقید کی ہے۔

''کسی زبان کی مخصوص صنف کلام کو دوسری زبان میں متعارف کرانے کی کوشش ایسا ہی ہے جیسے ایک درخت کو اس کی جگہ سے اکھاڑ کر کسی دوسرے مقام پر لگا دینا۔ زمین نئی، آب و ہوا مختلف، ماحول اجنبی، خدا معلوم یہ انجانی باتیں اس درخت کو راس آئیں یا نہیں؟ وہ پنپ سکے یا نہیں''۔

انور مینائی نے اپنے مضمون میں مالک رام کے جس اقتباس کو پیش کیا ہے لگتا ہے اس سے پہلے کا ایک جملہ ان سے سہواً رہ گیا ہے۔ مالک رام نے دیپک قمر کے ماہیوں پر رائے دیتے ہوئے لکھا تھا:

''انہوں نے اس کے موضوع کو بھی وسعت دی ہے اور ہیئت میں بھی کچھ نیا تجربہ کیا ہے۔ کسی زبان کی مخصوص۔۔۔۔۔'' ہیئت کے نئے تجربے کے اشارے میں

ہی مالک رام نے بھید کی بات کہہ دی تھی۔

اپنے مضمون کے آخر میں انور مینائی لکھتے ہیں: ''فہیم اعظمی نے دو بنیادی باتیں بتائی ہیں۔ ایک ماہیا کے ثلاثی میں ضم ہو جانے کی بات اور دوسری ہیئت و وزن کا مضمون و معنی پر فوقیت۔۔۔۔ جب یکساں طوالت والے مصرعوں کی وجہ سے ثلاثی اور ماہیا کا فرق ہی مٹ جائے تو ماہیا کی تخلیق کا جواز بھی باقی نہیں رہتا۔ نیز دوسرے مصرعے کے پہلے رکن میں سبب خفیف کی کمی سے ماہیا، ثلاثی سے الگ اپنی پہچان قائم رکھ سکے گا۔ راقم التحریر بھی اسی موقف کا حامی ہے''۔

اب ''اوراق'' شمارہ اگست ستمبر ۱۹۹۵ء میں شائع ہونے والے دو خطوط یہاں درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ایک خط طاہر مجید کا ہے اور دوسرا نثار ترابی کا۔۔۔ پہلے طاہر مجید کے خط کا ایک اہم حصہ:

''ماہیا پنجابی کا لوک گیت ہے اور موسیقی سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ یہ لکھی جانے والی صنف سے زیادہ گائی جانے والی صنف ہے۔ اس کے باوجود اس کے اصل وزن کو سمجھنے کی بجائے اس پر ''طبلے کی تھاپ'' کے حوالے سے طنز کیا جا رہا ہے۔ پنجابی ماہیے میں طبلے کی تھاپ تو نہیں البتہ گھڑے یا پرات کی آواز آج بھی ہر گاؤں میں سنی جاتی ہے۔ جن صاحبان کو ماہیے کی مخصوص نغمگی راس نہیں آ رہی ہے کیا ضروری ہے کہ وہ ماہیے ہی لکھیں۔ ثلاثی لکھ لیں۔ کوئی اور سہ مصرعی صنف ایجاد کر لیں۔ ضروری تو نہیں کہ کبھی ہائیکو پر مشق ناز کی جائے اور کبھی ماہیے پر۔ تین یکساں مصرعوں کی ایک صنف ثلاثی کے نام سے موجود ہے، جو صاحبان ماہیے کے اصل وزن کو ملحوظ نہیں رکھ سکتے وہ ثلاثی کہہ لیا کریں۔ یہ بالکل وہی صورت حال ہے جیسے بعض اخباری کالم نگار اپنے کالموں پر انشائیے کا لیبل لگانے کے متمنی تھے اور اس تمنا کی تکمیل کے لئے وہ اصل انشائیہ نگاروں کی مذمت کرانے لگے تھے۔ اردو ماہیے میں پہلے سے ساحر لدھیانوی اور قمر جلال آبادی کی روشن مثالیں موجود ہیں:

دل لے کے دغا دیں گے
یار ہیں مطلب کے
یہ دیں گے تو کیا دیں گے
(ساحر لدھیانوی: فلم نیا دور)

تم روٹھ کے مت جانا
مجھ سے کیا شکوہ
دیوانہ ہے دیوانہ
(قمر جلال آبادی: فلم پھاگن)

اس کے باوجود اصل وزن کے سلسلے میں گرد اڑائی جا رہی ہے۔ مقصد یہاں بھی یہی ہے کہ اس طرح بعض احباب کو ماہیا نگار منوا لیا جائے اور اس کارِخیر کے لئے ضروری ہے کہ اصل وزن اختیار کرنے والوں کو نشانہ بنایا جائے۔ زیرِنظر ''اوراق'' میں آٹھ ماہیا نگاروں کے ماہیے چھپے ہیں۔ تین صاحبان نے اصل وزن کو ملحوظ نہیں رکھا لیکن حوصلہ افزا امر یہ ہے کہ پانچ ماہیا نگاروں نے اصل وزن کو مدِنظر رکھا ہے۔ فرحت نواز، سعید شباب، شجاعت علی راہی، نذیر فتح پوری اور رشید اعجاز کے ماہیے اس بات کا ثبوت ہیں کہ اردو میں اصل ماہیا فروغ پانے لگا ہے''۔

اب نثار ترابی کا وہ خط دیکھیں جو میرے مشورے کے جواب میں شائع ہوا:

''میں چند معروضات ماہیے کے حوالے سے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہاں میرے مخاطب بطورِ خاص حیدر قریشی صاحب ہیں۔ ان کی خدمت میں بہت احترام کے ساتھ گزارش ہے کہ وہ اردو ماہیے کے درمیانی مصرعے میں وزن کی بنیاد پر جس قسم کے رویے کو فروغ دے رہے ہیں وہ ماہیے کی کلاسیکی شعری روایات کے منافی ہے۔ وہ اربابِ فن جن کا میدان خالصتاً نقد و نظر ہے ماہیے کے ''درست وزن'' سے پوری طرح آگاہ ہیں یعنی یہ ایک رکن کم اور برابر کے مصرعوں میں ظہور ہوتا رہا ہے۔ حیدر قریشی کو مساوی الوزن مصرعوں کو غلط قرار دینے سے قبل یہ دیکھ لینا چاہئے کہ کیا پنجابی اور اردو میں لکھے جانے والے ماہیوں میں دوسرے مصرعوں کے ''مساوی الوزن'' ہونے کی کلاسیکی اور جدید روایات موجود ہیں یا نہیں؟ واضح رہے کہ لوک ورثہ کے قومی ادارے نے پنجابی ماہیے کے جس ذخیرہ کو کتابی شکل میں عکسی مفتی اور مظہر الاسلام ایسے سینئر

دانشوروں کی سرپرستی میں شائع کیا ہے حوالے کے لئے موجود ہے۔ میں یہاں صرف ایک مثال درج کرنے کے بعد بات آگے بڑھانا چاہوں گا ورنہ ''دوسرے مصرعے'' کے مساوی الوزن ہونے کی بے انت و بے حساب مثالیں موجود ہیں۔

چٹا ککڑ بنیرے تے/ روح ساڈی ایتھے پھردی/ جند سجناں دے ڈیرے تے

یہاں روح کو ''رو'' باندھا گیا ہے اور ''ح'' کو تقطیع میں شامل نہیں کیا گیا جو جائز ہے۔ اردو ماہیے کا ذکر چھڑے تو مرحوم چراغ حسن حسرت کے اس ماہیے کو کون بھول سکتا ہے۔ باغوں میں پڑے جھولے/تم بھول گئے ہم کو/ ہم تم کو نہیں بھولے۔

حسرت مرحوم نے لگ بھگ گیارہ ماہیے تخلیق کئے جو آج بھی زبان زدِ خاص و عام ہیں اور ہر ماہیا برابر کے مصرعے میں مکمل ہوا ہے۔ ان کے علاوہ بہت سے دیگر سینئر اور جدید تر نسل کے نمائندہ شعراء مساوی الوزن مصرعوں کی بنت سے اردو اور پنجابی ماہیے تخلیق کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں میری کتاب ''بارات گلابوں کی'' اور سیدہ حنا کی ''سیدہ حنا کے ماہیے'' امجد اسلام امجد کی ''ذرا پھر سے کہنا'' خادم جعفری کی ''میرا چن تارا'' پاکستان میں اور دیپک قمر کے تین اردو مجموعے (جو خالصتاً اردو ماہیے پر مشتمل ہیں) ہندوستان میں شائع ہو کر۔۔۔۔ مساوی الوزن مصرعوں کی مقبولیت کا زندہ ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ کیا ماہیے کی یہ ہر دلعزیزی اس کے درست وزن میں ہونے کا واضح اعلان نامہ، جیتی جاگتی دلیل، فنی جواز اور روایتی تسلسل کی شعری صداقت نہیں؟۔۔۔۔۔ ویسے ماہیے کے وزن کے مسئلے سے قطع نظر اصل بات ماہیے کے مزاج، لفظیات کے ورتارے، بے ساختہ پن، رس، نغمگی، مٹھاس، موضوعاتی فضا اور اس کے اسلوب کی انفرادیت ہے۔ ماہیے میں اگر ہمیں اپنی لوک روایات اور رہتل کی چمک رس گھولتی اور رقص کرتی نظر نہیں آتی تو وہ ماہیا نہیں سہ مصرعی کی کوئی دوسری شکل ہے۔ اس بار سیما پیروز، ایم اے تنویر اور سعید شباب کے ماہیے اپنے رس، رچاؤ اور تازگی کی بنا پر احساس کو بے ساختہ زنجیر کر گئے''۔

''اوراق'' شمارہ اگست ستمبر ۱۹۹۵ء میں ماہیے کے حوالے سے ہونے والی بحث پر میرے تفصیلی تاثرات ۱۹۹۶ء کے آغاز کے ساتھ ہی سامنے آ گئے۔تاہم ۱۹۹۵ء کے جاتے جاتے ایک اہم واقعہ یہ ہوا کہ حمایت علی شاعر نے تجدید نو کے شمارہ نومبر ۱۹۹۵ء میں اپنے ایک مکتوب میں ماہیے کے سلسلے میں روا رکھی جانے والی بے راہ روی پر افسوس کا اظہار کیا۔ ان کے مکتوب کے چند الفاظ ہی ہمارے لئے تقویت کا موجب بنے۔ ''اوراق'' کے جنوری، فروری ۱۹۹۶ء کے شمارہ میں میرا تفصیلی خط شائع ہوا جو ماہیے کے حوالے سے ہونے والی سابقہ بحث کا جواب تھا۔ وہ خط درج ذیل ہے:

''اوراق'' شمارہ اگست ستمبر ۱۹۹۵ء میں ماہیے کی بحث مزید نمایاں ہوئی ہے۔
جناب طاہر مجید نے انشائیہ کے حوالے سے اس کے ماضی کے مباحث اور ماہیے کی موجودہ بحث کی صورت حال میں دلچسپ مطابقت پیدا کی ہے۔ واقعتاً انشائیہ کے معاملہ میں جب خلط مبحث کیا گیا تب دوستیوں اور پی آر شپ کا مسئلہ تھا تو کہیں سہل انگاری کا۔۔۔اب ماہیے کے معاملے میں بھی یہی صورت حال درپیش ہے۔ تاہم میں سمجھتا ہوں کہ بیشتر دوست بے خبری کے باعث ہی تین یکساں مصرعوں کے ''ماہیے'' لکھتے رہے۔اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ شروع میں جب اصل وزن والے ماہیے منظر عام پر آئے تو نہ صرف ان کی مذمت کی گئی بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا گیا کہ پنجابی ماہیے تین یکساں مصرعوں پر ہی مشتمل ہوتے ہیں۔ یہ موقف ''ابلاغ'' کے صفحات پر سامنے آیا اور اسے دیپک قمر وغیرہ کی حمایت اور سرپرستی حاصل تھی۔لیکن پھر ہماری وضاحت سامنے آنے پر جیسے ہی ان لوگوں کو یہ احساس ہوا کہ ان کا دعویٰ درست نہیں ہے تب یوں کہا گیا کہ ماہیے کے دونوں وزن درست ہیں۔''ابلاغ'' کے صفحات پر چھپنے والے وہ خطوط اس حقیقت کا ثبوت ہیں کہ تین یکساں مصرعوں کے ''ماہیے'' وزن سے بے خبری کے نتیجہ میں لکھے گئے۔اب تو ہر شخص بڑے مزے سے کہہ سکتا ہے کہ ہمیں دونوں اوزان کا علم ہے اور ہم جان بوجھ کر تین یکساں مصرعوں کے ''ماہیے'' لکھ رہے ہیں۔ بے خبری کے بعد

دوسرا سبب سہل انگاری بھی ہے۔ پہلے اور تیسرے مصرعوں کے مقابلہ میں دوسرے مصرعہ میں ''ایک سبب'' کی کمی کا التزام رکھنا اتنا آسان نہیں ہے اسی لئے یار لوگ تین یکساں مصرعوں کے ''ماہیوں'' پر ہی اصرار کرنے لگے۔۔۔۔۔ بشیر سیفی نے اپنے مضمون ''سیدہ حنا کے ماہیے'' میں ایم اے تنویر کے مضمون مطبوعہ ''صریر'' کراچی سالنامہ ۱۹۹۳ء کا بطور خاص حوالہ دیا ہے۔اس مضمون میں باقی ساری باتیں ایک طرف اور ایم اے تنویر صاحب کا یہ معصومانہ سوال ایک طرف۔''سوال یہ ہے کہ ایسا کرنے کا جواز کیا ہے؟ ہم کیوں اردو ماہیے پر پنجابی وزن کا اطلاق کریں؟''۔۔۔۔۔۔ریکارڈ کی درستی کے لئے مزید عرض ہے کہ اس مضمون کے آخر میں ''صریر'' کے ایڈیٹر ڈاکٹر فہیم اعظمی نے اپنے اختلافی نوٹ میں یہ الفاظ بھی لکھے ہیں: ''ماہیے کے فارم میں تبدیلی سے اس کی انفرادی حیثیت قائم نہ رہ سکے گی اور یہ اردو کی صنف ثلاثی میں ضم ہو جائے گی'' ۔۔۔۔۔پھر نومبر ۱۹۹۳ء کے ''صریر'' میں جناب وحید انور نے اپنے خط میں مذکورہ مضمون کی ساری بحث ہی سمیٹ لی۔انہوں نے ماہیے کی کسی بحر کے تعین کی بجائے سیدھی سادی بات کر دی جو ماہیے پنجابی ماہیے کی مخصوص دھن پر روانی کے ساتھ گنگنائے جا سکتے ہیں وہ ماہیے ہیں اور جنہیں گنگناتے ہوئے جھٹکا لگتا ہے وہ ماہیے نہیں ہیں۔''صریر'' سالنامہ ۱۹۹۳ء جس کا حوالہ بشیر سیفی دے رہے ہیں، اسی شمارہ میں سعید شباب کا ایک اہم مضمون ''ماہیے کی تفہیم میں پیش رفت'' بھی چھپا ہوا ہے۔اس مضمون کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کر لیں کہ آج نثار ترابی صاحب اپنے خط میں چراغ حسن حسرت کے ''ماہیوں'' کے حوالے سے جو بات کر رہے ہیں سعید شباب اپنے اس مضمون میں اس کا مدلل جواب دے چکے ہیں۔ایسے لگتا ہے کہ جیسے انشائیہ کے اصل خدوخال کی مخالفت کرنے والے اپنے اعتراضات کے جواب مل جانے کے باوجود تواتر سے اپنے اعتراضات کو دہرائے جا رہے ہیں ویسے ہی ماہیے کے اصل وزن کے نام سے ناراض ہونے والے احباب بھی اپنے اعتراضات کو جواب ملنے کے باوجود دہرانے لگے

ہیں۔۔۔۔۔ نثار ترابی صاحب نے لوک ورثہ کی چھاپی ہوئی ماہیوں کی ایک کتاب کا
ذکر کیا ہے اور اس سلسلہ میں کتاب اور مرتب کا نام بتانے کی بجائے اس کے ناشرین
مظہرالاسلام اور عکسی مفتی کی دانشورانہ اہمیت کو اجاگر کرتے گئے ہیں۔ میں دونوں دانشور
دوستوں سے کسی رابطے کے بغیر ادبی محبت رکھتا ہوں۔ مجھے اس وقت کتاب کا نام یاد نہیں
آرہا، تاہم اگر یہ کسی جدون صاحب کی مرتب کی ہوئی کتاب ہے تو نہایت معذرت کے
ساتھ کہوں گا کہ یہ کتاب پنجابی ماہیے کی سب سے بری کتاب ہے۔ میں نثار ترابی
صاحب سے ہی کہوں گا کہ وہ جی کڑا کر کے یہ کتاب ایک بار پھر پڑھ جائیں۔ اس کے
بعد اس کتاب کے بارے میں وہ جو فیصلہ کردیں میں ان پر بھروسہ کر کے اسے مان لوں
گا۔ ویسے پنجابی میں ایک قدرے اچھی کتاب ''ماہیا۔فن تے بنتر'' چھپی ہے۔ اسے تنویر
بخاری نے لکھا ہے۔ اس پر جمال ہوشیارپوری کا ایک اہم اختلافی مضمون بھی چھپا ہے۔
چونکہ دونوں صاحبان ماہیے کے پہلے مصرعہ کو معیار مان کر ماہیے کی بحر کے تعین میں بحث کر
رہے تھے اس لئے ''مفعول مفاعیلن'' اور ''فعلن فعلن فعلن'' کی حد تک بحث چلی،
جبکہ ماہیے کے لئے یہ دونوں وزن درست ہیں۔۔۔۔ جناب نثار ترابی نے پنجابی سے
تین یکساں مصرعوں کے ماہیے کی ایک مثال پیش کی ہے اور پھر اعتراض کیا ہے۔۔۔۔
اس اعتراض کا جواب بھی بار ہا دیا جا چکا ہے۔ اب پھر مختصراً عرض کرتا ہوں کہ اردو میں
زحافات کی جو رعایت ہے پنجابی زبان میں ایسا کوئی قاعدہ کلیہ موجود نہیں ہے۔ پنجابی
میں بہت سے لفظوں کو شعری ضرورت اور سہولت کے مطابق چھوٹا یا لمبا کر لیا جاتا ہے۔
لہٰذا پنجابی ماہیے کو اگر آپ محض تحریری صورت میں دیکھیں گے تو لازماً دھوکہ کھائیں گے
لیکن چونکہ ماہیا بنیادی طور پر گائی جانے والی صنف ہے اور اس کی مخصوص دھن ہے اس
لئے تحریری صورت میں دیکھنے سے جو مغالطہ ہوتا ہے اسے اس کی دھن پر باآسانی پرکھا جا
سکتا ہے۔ ماہیے کی مخصوص دھن میں ہی اس کا اصل وزن موجود ہے۔ ہم میں سے کسی نے
بھی اس کے وزن کا تعین نہیں کرنا بلکہ صرف اس وزن کو معلوم کرنا ہے۔ اس کا موزوں

طریقہ یہی ہے کہ ماہیے کو محض لکھتے ہوئے نہیں بلکہ اس کی مخصوص دھن میں گنگناتے ہوئے
تخلیق کریں پھر کوئی الجھن نہیں رہے گی۔ ماہیے کی مخصوص دھن کے مطابق جو ماہیا روانی
سے گنگنایا جا سکتا ہے وہ کسی بحر میں ہو میں اسے ماہیا تسلیم کرتا ہوں لیکن جو ''ماہیا''
دوسرے مصرعہ میں جھٹکا کھانے لگے وہ ماہیا نہیں کچھ اور ہے لیکن دھن ماہیے والی ہو۔
چاہے مسرت نذیر والے گانے کی ہو، چاہے فلم ''پھاگن'' والے گانے کی ہو اور چاہے
پنجاب کے دیہاتوں والی ہو۔ ان کے علاوہ اگر کوئی اور دھن ہے تو اسے بے شک گانا
کہہ لیں، نغمہ کہہ لیں، لیکن وہ ماہیا نہیں ہے۔۔۔۔۔ جناب نثار ترابی نے اردو ''ماہیے''
کے بعض مجموعوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ جواباً عرض ہے کہ ان سے دگنی تعداد میں ہائیکو کے غلط
وزن والے مجموعے بھی چھپ چکے ہیں تو کیا وہ ثلاثی محض اس لئے ہائیکو مان لئے جائیں
گے کہ ان کے ڈھیر سارے مجموعے ہائیکو کے لیبل کے ساتھ چھپ چکے ہیں؟ باقی اب تیس
سے زائد شعراء درست وزن میں ماہیے کہہ چکے ہیں۔ تین یکساں مصرعوں پر اصرار کرنے
والے صاحبان کی تعداد تو اب دس بھی نہیں رہ گئی۔۔۔۔۔۔ ان ساری معروضات کے
بعد خاص طور پر جناب نثار ترابی سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ ماہیے کی مخصوص دھن کو معیار
مان کر فیصلہ کرلیں۔ یہ ایک سیدھا سادہ ادبی معاملہ ہے۔ سواگر اس بحث کو اس رنگ میں
آگے بڑھائیں کہ مجھے کچھ سمجھانا چاہیں یا خود کچھ سمجھنا چاہیں تو میں ان کا خیر مقدم کرتا
ہوں اور واضح کرتا ہوں کہ اپنا موقف غلط ثابت ہونے کی صورت میں جو بھی ادبی سچائی
ہوگی اس کا برملا اقرار کروں گا اور اپنے سابقہ رویے پر معذرت بھی کروں گا''۔

میرے اس خط کے جواب میں ''اوراق'' کے اس سے اگلے شمارے میں نثار
ترابی نے معنی خیز خاموشی اختیار کرلی۔ ''اوراق'' شمارہ جنوری فروری ۱۹۹۶ء میں شائع
ہونے والے مندرجہ بالا خط کے معاً بعد ماہنامہ ''صریر'' کراچی شمارہ مارچ ۱۹۹۶ء میں
ڈاکٹر انور سدید کا طویل سالانہ ادبی جائزہ شائع ہوا۔ اس جائزہ میں ماہیا کے حوالے
سے ڈاکٹر انور سدید نے لکھا:

''سہ مصرعی اصناف سخن میں اردو ماہیا کو گزشتہ چند برسوں کے دوران اس لئے زیادہ اہمیت ملی کہ اس میں مقامی ثقافت کی باس نمایاں ہے۔ دوم یہ صنف سخن لوک مزاج اور موسیقی طراز ہے۔ تیسری بات یہ کہ اس میں گیت کی طرح عورت کی کوک بھی زیادہ سنائی دیتی ہے۔ موضوعی اعتبار سے اب اس کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے لیکن یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی کہ ماہیا کی ہیئت کو پنجابی ماہیا کے مماثل کرنے میں حیدر قریشی نے زیادہ خدمات انجام دی ہیں۔ انہوں نے ہیئت کی اس صورت کو قائم رکھنے پر اصرار کیا کہ ماہیا کے وسطی مصرعہ میں ایک رکن کم ہوتا ہے اور قاری پہلا مصرعہ الاپنے کے بعد تھوڑا سا رک جاتا ہے۔ رکاوٹ کا یہ وقفہ محبوب تک آواز پہنچانے کا وقفہ ہے۔ پہلے مصرعہ الاپنے کے بعد تھوڑا بلند آواز ہوتا ہے لیکن آخری مصرعہ ایسا ہوتا ہے جیسے جذبات کی چڑھی ہوئی ندی اب اتر رہی ہے۔ تاہم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ متعدد شعراء ماہیا میں تین ہم وزن مصرعے لکھ رہے ہیں اور یوں ماہیا کا مزاج ثلاثی کے ساتھ ملتا جا رہا ہے۔ حیدر قریشی اس مسئلے پر مسلسل تحقیق کر رہے ہیں۔ انہوں نے اعداد و شمار کی رو سے بتایا کہ اب تین یکساں مصرعوں کو ماہیا کے لئے استعمال کرنے والوں کی تعداد بتدریج کم ہوتی جا رہی ہے''۔ ماہیے کے نغماتی زیروبم کو ڈاکٹر انور سدید نے خوبصورتی سے اپنے انداز میں بیان کیا ہے البتہ ان کا یہ بیان توجہ طلب ہے کہ ''متعدد شعراء'' ماہیا میں تین ہم وزن مصرعے لکھ رہے ہیں۔ میرا خیال ہے وہ ''بعض شعراء'' کی جگہ ''متعدد شعراء'' کے الفاظ روانی میں لکھ گئے ہیں۔ یہاں ایک سہو کی وضاحت کرنے سے پہلے یہ اعتراف کر لوں کہ مجھے عروض کا کچھ زیادہ علم نہیں ہے۔ ماہیے کے وزن کی بحث کے دوران تھوڑی سی شد بد حاصل کرنا پڑی۔ نثار ترابی نے اپنے مکتوب مطبوعہ ''اوراق'' شمارہ اگست ستمبر ۱۹۹۵ء میں اور ڈاکٹر انور سدید نے اپنے مذکورہ بالا ادبی جائزے میں دوسرے مصرعہ میں ایک سبب یعنی دو حروف کی کمی کو ''ایک رکن'' کی کمی بیان کیا ہے جو دونوں دوستوں کا سہو ہے۔ فعلن ایک رکن ہے اور ماہیے کے دوسرے مصرعہ میں دو حروف (ایک سبب) یعنی

آدھا رکن کم رکھنا ہوتا ہے۔ سالانہ ادبی جائزے میں ڈاکٹر انور سدید نے ماہیے کو جو اہمیت دی ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ نئی شعری صنف اب سنجیدہ اہل علم کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگی ہے۔

اس برس میرے ماہیوں کا پہلا مجموعہ ''محبت کے پھول'' منظر عام پر آیا۔ اس مجموعے کے پیش لفظ میں اپنے موقف کو میں نے اپنے ماہیوں کے حوالے سے واضح کیا۔ ماہنامہ ''صریر'' کراچی کے سالنامہ (شمارہ جون، جولائی ۱۹۹۶ء) میں ڈاکٹر بشیر سیفی کا مضمون ''اردو ماہیا۔ تحقیقی مطالعہ'' شائع ہوا۔ اس مضمون کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں چراغ حسن حسرت کے تین ہم وزن مصرعوں والے ''ماہیوں'' کے بعد اسی ٹائپ کے بشیر منذر، عبدالمجید بھٹی، منیر عشرت اور ثاقب زیروی کے ''ماہیوں'' کا بھی انکشاف کیا گیا ہے۔ یہ ''ماہیے'' ۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۰ء کے دوران لکھے گئے تھے۔ یہ تقریباً وہی زمانہ بنتا ہے جب قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی درست وزن کے ماہیے پیش کر رہے تھے۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ اس میں تمام تر بحث کے باوجود بشیر سیفی اس اصولی بات کو مان گئے ہیں کہ ماہیے کا وزن اس کی دھن کے مطابق ہونا چاہئے۔

نفس مضمون کے لحاظ سے اصل حقیقت کو تسلیم کر لینے کے باوجود بشیر سیفی نے تحقیق کے نام پر حقائق کو دھندلانے کی کوشش بھی کی ہے۔ اگر ان کی فروگزاشتیں سہواً ہوتیں تو انہیں نظر انداز کیا جا سکتا تھا لیکن چونکہ انہوں نے مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لئے تگ و دو کی ہے اس لئے ان کی بعض ''تحقیقی'' باتوں کی حقیقت ظاہر کرنا ضروری ہے۔

ڈاکٹر بشیر سیفی نے لکھا ہے کہ: ''جب یہ اعتراض سامنے آیا کہ پنجابی ماہیا کے دوسرے مصرعہ میں ایک رکن کم ہوتا ہے اس لئے اردو میں تخلیق ہونے والے تین یکساں مصرعوں کے ماہیے پنجابی ماہیا کی اصل ہیئت کے مطابق نہیں تو بعض ماہیا نگاروں نے فوراً دوسرے مصرعہ میں ایک رکن کم کر دیا''۔ ماہیے کے درست وزن کی نشاندہی اگست

۱۹۹۰ء میں ہوئی۔اس برس میرے درست وزن کے ماہیے ماہنامہ ''ادبِ لطیف'' لاہور
شمارہ نومبر ۱۹۹۰ء میں شائع ہوئے۔ستمبر ۱۹۹۲ء تک میں اکیلا ہی درست وزن میں ماہیے
کہہ رہا تھا اور یار لوگوں کی ملامت کا نشانہ بھی بنا ہوا تھا۔اکتوبر ۱۹۹۲ء میں پہلی بار چند
دوستوں نے اس طرف توجہ کی۔۱۹۹۴ء میں جا کر شعرائے کرام کو ہمارے موقف کی
سچائی کا احساس ہونے لگا۔ہم نے چار پانچ سال تک سخت محنت کی۔تب کہیں جا کر ادبی
دنیا کو حقیقت معلوم ہوئی۔فوراً دوسرے مصرعہ میں ایک رکن کم کر دینے کی بشیر سیفی کی تحقیق
غلط ہے (ویسے دوسرے مصرعہ میں ایک رکن نہیں، ایک، سبب کم ہوتا ہے)۔اصل واقعہ
یہ ہے کہ تین ہم وزن مصرعوں کی نظم کہنا آسان ہے۔اس کے مقابلہ میں دوسرے مصرعہ
میں ایک سبب کی کمی کا التزام رکھنا فنی ریاضت چاہتا ہے۔سو سہل پسندوں کے لئے تین ہم
وزن مصرعوں کی ماہیا نگاری زیادہ بہتر تھی۔

ڈاکٹر بشیر سیفی نے ممتاز شاعر جناب پروفیسر ڈاکٹر صابر آفاقی کے مکتوب
مطبوعہ ماہنامہ ''صریر'' کراچی شمارہ ستمبر ۱۹۹۳ء کا حوالہ دے کر ماہیے کے تینوں مصرعے
ہم وزن ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے لیکن ان کا محققانہ کمال ہے کہ اس مکتوب کے جواب
میں ڈاکٹر فہیم اعظمی کے موقف کو گول کر گئے ہیں جس میں ہمارے موقف کی معقولیت کا ذکر
تھا۔پھر انہوں نے وحید انور کے خط مطبوعہ ماہنامہ ''صریر'' کراچی شمارہ نومبر ۱۹۹۳ء کا
ذکر کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا جس میں جناب صابر آفاقی کے مکتوب کا مدلل جواب دے
دیا گیا تھا۔تحقیقی مطالعہ تب منصفانہ ہوتا ہے جب فریقین کے موقف سامنے لا کر کوئی نتیجہ
نکالا جائے یک طرفہ موقف پیش کر کے تحقیق کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ ویسے
ہمارے لئے یہی بات بہت ہے کہ ۱۹۹۶ء میں پروفیسر صابر آفاقی کے ماہیے منظر عام پر
آئے ہیں اور یہ ماہیے ہمارے موقف والے وزن کے مطابق ہیں۔

ناصر عباس نیرّ کے بارے میں بھی بشیر سیفی نے تاثر دیا ہے کہ وہ پہلے ہمارے
موقف کے حامی تھے پھر انہوں نے وزن کے مقابلے میں دونوں اوزان کو درست قرار

دیا تھا نیز وزن کے مقابلہ میں ماہیے کے مزاج کو اہمیت دی تھی۔اس سلسلہ میں بھی ڈاکٹر
بشیر سیفی نے اوراق لاہور شمارہ مئی جون ۱۹۹۳ء میں چھپنے والے ناصر عباس نیر کے مضمون
کا حوالہ تو دیا ہے لیکن ''اوراق'' کے اس سے اگلے شمارہ کو اپنے تحقیقی مطالعہ میں شامل کرنا
ضروری نہیں سمجھا جس میں میرا تفصیلی جواب چھپا تھا اور جس کے بعد ناصر عباس نیر کا یا
کسی اور دوست کا جواب الجواب ''اوراق'' میں نہیں چھپا۔ڈاکٹر بشیر سیفی تحقیق کے نام
پر جو انداز اختیار کر رہے ہیں محض اس کے جواب کے طور پر یہاں اپنے دوست ناصر
عباس نیر کے ۱۹۹۶ء کے تحریر کردہ خط کا صرف ایک جملہ درج کر رہا ہوں۔ ہماری سابقہ
بحث اور ماہیے کی جملہ بحث کے تذکرہ کے بعد ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

''اردو میں ماہیے کی نسبت سے آپ اتھارٹی بن چکے ہیں''

میں برادرم ناصر عباس نیرّ کے اس بیان کو ان کی محبت سمجھتا ہوں وگرنہ من آنم
کہ من دانم۔

ڈاکٹر بشیر سیفی لکھتے ہیں: ''یہ بات خالی از دلچسپی نہیں کہ حیدر قریشی نے جن
پنجابی ماہیوں کو اپنے موقف کے ثبوت میں پیش کیا ہے (ابلاغ جولائی ۱۹۹۲ء) وصی محمد
وصی نے ان کی تقطیع کر کے انہیں مساوی الوزن ثابت کیا ہے (ملاحظہ ہو ابلاغ اکتوبر
۱۹۹۲ء)''۔

۱۹۹۵ء تک ماہیے کے وزن کی بحث جتنی نکھر چکی ہے اس کے بعد ایسی بات
لکھنا صرف ڈاکٹر بشیر سیفی جیسے محقق کا ہی حوصلہ ہے۔ وصی محمد وصی اور دوسرے تمام
احباب بھی جو پنجابی ماہیے کی تقطیع اردو عروض پر کریں گے لازماً دھوکہ کھائیں گے کیونکہ
پنجابی الفاظ کی ساخت میں جو لچک ہے اسے اردو کے پیمانوں پر جانچنا ہی غلط ہے۔وصی
محمد وصی تو دھن کو معیار مان کر فیصلہ کرنے کی بجائے پنجابی الفاظ کی تقطیع اردو قواعد کے
مطابق کرنے لگے تھے اس لئے دھوکہ کھا گئے لیکن بشیر سیفی طے شدہ مطلوبہ نتائج حاصل
کرنے والی ایسی تحقیق کر کے کسے دھوکہ دینا چاہتے ہیں؟

ابلاغ کے انہی صفحات پر وصی محمد وصی نے ساحر لدھیانوی کے ماہیے اپنی تائید میں پیش کئے لیکن وہ ماہیے ہمارے موقف کے مطابق نکلے۔ ڈاکٹر بشیر سیفی نے اسے دیدہ دانستہ نظر انداز کر دیا ہے۔ پھر ابلاغ کے صفحات پر وصی محمد وصی ہماری مذمت کرتے ہوئے بہانگ دہل یہ اعلان کر رہے تھے کہ ماہیا تو تین ہم وزن مصرعوں ہی پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ ان کا یہ دعویٰ آج اس عبرت ناک مقام پر آ پہنچا ہے کہ بشیر سیفی، نثار ترابی، ایم اے تنویر اور ایسے ہی دیگر ''ماہیا نگار'' ہمارے ماہیوں کو تو مان رہے ہیں اور اب اس تگ و دو میں لگے ہیں کہ ہمارے ثلاثی کو بھی ماہیا مان کیا جائے۔

ماہیے کے وزن کا مسئلہ سنجیدگی سے اٹھایا گیا تھا۔ شعرائے کرام نے فوراً نہیں بلکہ کافی غور و خوض کے بعد ہمارے موقف کی معقولیت کو تسلیم کیا۔ پنجابی کے ممتاز شاعر جناب امین خیال نے درست وزن میں اردو ماہیے کہہ کر ہماری تحریک کو تقویت پہنچائی ہے۔ نئی نسل کے ایک اہم شاعر عارف فرہاد پہلے تین ہم وزن مصرعوں کے ثلاثی ماہیے کے عنوان سے پیش کرتے رہے۔ پھر طویل غور و خوض کے بعد انہوں نے درست وزن کو اختیار کر لیا اس سلسلے میں ان کے ایک خط کا ایک حصہ درج کر دینا ضروری سمجھتا ہوں:

''میں نے اوراق، تجدید نو اور دیگر ادبی پرچوں میں چھپنے والے وہ خطوط بھی پڑھے ہیں جو ماہیے کے حوالے سے تحریر کردہ ہیں اور آپ کے حالیہ خط پر بھی غور کیا ہے۔ واقعی آپ کا موقف درست ہے کہ اصل وزن ہے:

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فع
فعلن فعلن فعلن

میں سمجھتا ہوں کہ مساوی الاوزان ماہیے کچھ لوگ اس لئے لکھ رہے ہیں کہ انہیں لکھتے وقت کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ میری اس سلسلے میں مختلف معاصرین سے بات چیت ہوئی ہے۔ جناب احمد ندیم قاسمی کا موقف بھی یہی ہے کہ لوگوں نے مروجہ بحر کو

آسان سمجھ کر اس میں ماہیے کہہ دیئے ہیں۔۔۔۔۔ آپ کے موقف پر غور کیا جائے تو دل راضی ہو جاتا ہے۔ ایک بات جو بھلی معلوم ہوتی ہے وہ دھن والی ہے''۔

(مکتوب عارف فرہاد بنام حیدر قریشی۔ مورخہ یکم اگست ۱۹۹۶ء)

ڈاکٹر بشیر سیفی کا مذکورہ بالا مضمون مجھے اکتوبر ۱۹۹۶ء میں ملا۔ تب ہی میں نے اس کا مختصر سا جواب لکھ کر ایڈیٹر ماہنامہ ''صریر'' کراچی کو بھیج دیا۔ اس جوابی مضمون کا عنوان تھا ''ماہیے کے حوالے سے چند معروضات''۔ اسی دوران ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا مرتب کردہ ماہیوں کا ایک انتخاب ''رم جھم رم جھم'' دہلی سے شائع ہوا۔ اس کا ''حرف اول'' ایک مبسوط دیباچہ ہے جو ماہیے کے وزن کی بحث میں اڑائی گئی گرد کو صاف کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

۴ نومبر ۱۹۹۶ء کی اشاعت میں روزنامہ ''پاسبان'' بنگلور (کرناٹک) نے اپنے تقریباً دو ادبی صفحات ماہیے کے لئے مختص کئے۔ اس میں ۲۱ ماہیا نگاروں کے ماہیوں کے ساتھ تین مضامین شائع کئے۔ ''ماہیا اور اس کا دوسرا مصرعہ'' از حیدر قریشی، ''ماہیے۔ ایک مطالعہ'' از انور مینائی اور ''اردو ماہیے'' از سعید شباب۔۔۔۔۔ ان مضامین میں سے اول الذکر دونوں مضمون مطبوعہ ہیں اور ان کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ البتہ سعید شباب کا مضمون تازہ اور غیر مطبوعہ ہے۔ انہوں نے اختصار کے ساتھ پنجابی ماہیے کا تعارف کرایا ہے۔ اس کے وزن کا مسئلہ اٹھا کر اسے ماہیے کی دھن سے واضح کیا ہے۔ اردو ماہیے کی ابتداء اور اصلاح احوال کی روداد بیان کی ہے ان کا مضمون ان الفاظ کے ساتھ اختتام پذیر ہوا ہے:

''خوشی کی بات ہے کہ ماہیے کے مزاج اور خدوخال کی بحث جیسے جیسے آگے بڑھ رہی ہے ویسے ویسے شعرائے کرام ماہیے کے اصل وزن کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ غلط وزن میں ماہیے کہنے والوں کی تعداد اب بالکل گھٹ کر رہ گئی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے شعرائے کرام کے ذریعے اردو ماہیا دوسری اصناف ادب کے دوش بدوش

وقار کے ساتھ اکیسویں صدی میں داخل ہو سکے گا''۔

میرا ایک مضمون ''اردو ماہیا۔۔۔۔کل اور آج'' ماہنامہ شاہین ڈنمارک کے شمارہ دسمبر ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں میں نے ماہیے کے وزن کے سلسلے میں اب تک بیان کئے گئے مختلف ادباء کے تاثرات کو بیان کر کے حقیقت حال ظاہر کی۔ ماہیے کے مزاج کے حوالے سے بھی میں نے اپنے موقف کی وضاحت کی۔ اس کا یہ حصہ یہاں درج کر دینا مناسب سمجھتا ہوں:

''جہاں تک ماہیے کے مزاج کا مسئلہ ہے اس سلسلے میں کوئی حتمی بات کرنا اس لئے مشکل ہے کہ یہ زیادہ تر اپنے اپنے ذوق پر منحصر ہے۔ خود پنجابی میں ایسے ماہیے موجود ہیں جنہیں مزاج کی کسی خاص حد میں لانا مشکل ہے۔ مثلاً:

باگے وچ دریاں نیں
اللہ میاں پاس کرے
اساں فیساں بھریاں نیں

حمد، نعت، منقبت والے ماہیے اور زندگی کے تلخ مسائل والے پنجابی ماہیے بھی ۔۔۔۔۔اس مزاج سے خاصے مختلف ہیں جو پنجابی ماہیے کی عمومی پہچان ہے۔ ماہیے کے مزاج کے حوالے کو ماہیے کے موضوعات میں وسعت پیدا ہونے میں روک نہیں بننا چاہئے کیونکہ غزل بھی جو کل تک صرف عورتوں کی باتیں کرنے یا عورتوں سے باتیں کرنے تک محدود تھی، آج اپنی بنیاد پر قائم رہتے ہوئے زندگی کے کتنے ہی موضوعات کا احاطہ کر چکی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ پنجاب سے تعلق رکھنے والے ماہیا نگاروں کے ہاں عام طور پر ماہیے کا مزاج از خود آ سکتا ہے بہ نسبت ان ماہیا نگاروں کے جو پنجاب سے تعلق نہیں رکھتے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ پنجاب سے تعلق رکھنے والے بعض ماہیا نگاروں نے بھی بڑے ہی بے رس اور پھیکے ماہیے کہے ہیں اور پنجاب سے تعلق نہ رکھنے والوں نے ایسے ایسے ماہیے بھی کہے ہیں جو وزن اور مزاج دونوں لحاظ سے عمدہ اور

خوبصورت ہیں۔ پہلے پنجاب سے تعلق رکھنے والے ایسے ماہیا نگاروں کے ماہیے دیکھیں جو درست وزن کو اپنانے اور پنجابی ہونے کے باوجود پھیکے اور اوپرے اوپرے سے ماہیے کہہ رہے ہیں:

مجبور نہیں ہیں ہم
لوٹ کے آئیں گے
تم آنکھ نہ کریئو نم

ہر آنکھ میں سپنے ہیں
بیرن دنیا میں
یہ روگ ہی اپنے ہیں

☆

اک تیری نشانی ہے
میری اکھین میں
دریا کی روانی ہے

☆

سویا بھی نہیں جاگا
ہوش میں آ جاؤ
ابھی وقت نہیں بھاگا

یہ مثالیں کسی کی دل آزاری کے لئے نہیں دی گئیں، اسی لئے میں نے ماہیا نگاروں کے نام نہیں دیئے۔ ان مثالوں سے محض یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ پنجابی ذہن اور دل رکھنے والے شاعر بھی ماہیے کے عمومی مزاج سے پرے ہو کر ماہیے لکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح غیر پنجابی ہونے کے باوجود بعض ماہیے کہنے والے بھی ایسے ماہیے کہہ سکتے ہیں

جو بڑی حد تک پنجابی مزاج کے مطابق ہیں۔ چند مثالیں دیکھ لیں:

امواج کے دھاروں تک
اپنی کہانی ہے
طوفان سے کناروں تک
(نذیر فتح پوری۔ راجستھان)

ہے رنگ بہت گہرا
سرخی اناروں کی
تکتی ہے ترا چہرہ
(انور مینائی۔ کرناٹک)

ساون کی فضاؤں میں
خوشبو کا افسانہ
زلفوں کی گھٹاؤں میں
(مناظر عاشق ہرگانوی۔ بہار)

لفظوں پہ نہ جا بابا
عقل کی باتیں کیا
سن دل کی صدا بابا
(رشید اعجاز، پونا، مہاراشٹر)

اُردو ماہیے کے معیار کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے، ماہیے کے دامن کو وسیع کرنے کے عمل میں رکاوٹ ڈالے بغیر ماہیے کے مزاج کو برقرار رکھنے کی مثبت تلقین ساتھ ساتھ جاری رہنی چاہئے، تاہم ماہیے کے موضوعات میں وسعت آنے سے نئے

تجربات میں سے اگر بعض تجربات کچھ کچے اور ادھورے رہ جائیں تو انہیں برداشت کر لینا چاہئے کہ ایسے ادھورے اور کچے تجربات کے نتیجہ میں نئے اور بہتر تجربات کی راہیں بھی نکلیں گی۔ یوں اس دور میں کئے جانے والے بیشتر تجربات آنے والے دور میں اردو ماہیے کی تاریخ کا ایک قیمتی حصہ قرار پائیں گے''۔

۱۹۹۶ء کے آخر تک ماہیے کے وزن اور مزاج کو سمجھنے کے لئے اور حقیقت کو واضح کرنے کے لئے جو مخلصانہ کوششیں ہوئیں ان سے نہ صرف ان مسئلوں کے کئی پہلو کھل کر سامنے آئے بلکہ اصل حقائق بھی روز روشن کی طرح عیاں ہو گئے۔ اب بعض ''صاحبان'' بے شک کج بحثی کرنے یا حقائق کو مسخ کرنے کی تگ و دو کرتے رہیں لیکن ماہیے کے وزن کا مسئلہ ان تمام شعراء پر واضح ہو چکا ہے جو اَب ماہیے کہنے کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ البتہ جو شعراء پہلے تین ہم وزن مصرعوں کی نظمیں ''ماہیے'' کے نام سے پیش کرتے رہے اب ان کے لئے غلطی کو تسلیم کرنا اور پھر اس کی درستی کی طرف مائل ہونا بے شک خاصا مشکل بلکہ تکلیف دہ کام ہے۔ ایسا کام صرف ان شعراء کے لئے آسان ہو سکتا ہے جو نذیر فتح پوری، ضمیر اظہر، عارف فرہاد اور مناظر عاشق ہرگانوی جیسا حوصلہ اور ظرف رکھتے ہوں جن کے لئے ذاتی انا کے مقابلہ میں ادبی سچائی اہم اور محترم ہے، جسے تسلیم کر لینے سے ان کی شان کم نہیں ہوئی بلکہ ان کے وقار میں اضافہ ہوا ہے کہ انہوں نے حقیقت واضح ہو جانے پر اسے اپنی انا کا مسئلہ بنانے کی بجائے بشاشت کے ساتھ قبول کر لیا ہے۔

بہر حال اب وزن کا مسئلہ نئے ماہیا نگاروں کے لئے کسی الجھن کا باعث نہیں رہا۔ وہ اسے بخوبی سمجھ رہے ہیں اور اس کے مطابق کامیابی کے ساتھ عمدہ ماہیے کہہ رہے ہیں۔ ماہیے کے مزاج کی تفہیم میں بھی پیش رفت ہوئی ہے۔ وزن اور مزاج کو ملحوظ رکھتے ہوئے ماہیے کے موضوعات میں بتدریج وسعت پیدا ہو رہی ہے، الفاظ کے برتاؤ میں بھی عمدہ تجربے ہو رہے ہیں۔ یہ ساری صورت حال خوش کن ہے۔ ☆☆☆☆

حاصلِ بحث

گزشتہ پانچ برس کے عرصہ میں ماہیے کی بحث کے نتیجہ میں ماہیے کے خدوخال نمایاں ہوئے ہیں اور اس کے مزاج کے مسئلہ کو سمجھنے کی مخلصانہ کوششیں ہوئی ہیں۔ اس سلسلے میں خاص طور پر افتخار احمد، ناصر عباس نیئر، پروفیسر عرش صدیقی، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، سعید شباب، ریاض احمد، خاور اعجاز، ایم اے تنویر، نثار ترابی اور غزالہ طلعت کے ذریعے ماہیے کی بحث نے جو سفر طے کیا ہے، اس سے صورت حال کافی نکھر کر سامنے آ گئی ہے۔

ڈاکٹر فہیم اعظمی، ڈاکٹر انور سدید اور حمایت علی شاعر کے مختصر تاثرات نے بھی درست وزن کے ماہیے کو تقویت پہنچائی ہے۔ ماہیے کے وزن کے بارے میں اب پورے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ تین یکساں وزن کے مصرعوں والے ''ماہیے'' حقیقتاً ماہیے نہیں ہیں۔ ماہیے کی پنجابی اور عوامی دھن سے یہ وزن اردو ماہیے کے لئے بالکل واضح ہو چکا ہے۔

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فع
فعلن فعلن فعلن

اس کی رو سے ماہیے کے دوسرے مصرعہ میں ایک ''سبب'' یعنی دو حروف کا کم ہونا ضروری ہے۔ اس وزن میں ماہیا پنجابی دھن کے مطابق پوری طرح رواں دواں ہو جاتا ہے۔ یہ دوسرا وزن بھی ماہیے کے لئے قابل قبول ہے:

مفعول مفاعیلن
فعل مفاعیلن
مفعول مفاعیلن

یہ وزن اس لئے روا ہے کہ اپنی روانی میں اگلے حروف میں ضم ہوتا ہوا، یہ وزن بھی اول الذکر وزن میں ڈھل جاتے ہے یعنی:

مفعولمفاعیلن
فعلم فاعی لن
مفعولمفاعیلن

اس کے باوجود واضح الفاظ میں ہمارا موقف یہی ہے کہ جو اردو ماہیا۔۔۔۔ پنجابی ماہیے کی مخصوص دھن پر سہولت اور روانی کے ساتھ گایا/گنگنایا جا سکتا ہے وہ ماہیا ہے اور جسے ماہیے کی دھن پر گاتے/گنگناتے ہوئے جھٹکا لگتا ہے وہ ماہیا نہیں کوئی اور چیز ہے۔ ماہیے کی مخصوص دھن کے سلسلے میں دو ماہیا گیتوں کو بنیادی حوالہ بنایا جا سکتا ہے۔

پنجابی میں مسرت نذیر کے گائے ہوئے غیر فلمی ماہیا گیت:

چٹا ککڑ بنیرے تے
کاسنی دوپٹے والیے
منڈا صدقے تیرے تے

اور اردو میں قمر جلال آبادی کے لکھے، فلم ''پھاگن'' میں محمد رفیع اور آشا بھونسلے کے گائے ہوئے ماہیا گیت:

تم روٹھ کے مت جانا
مجھ سے کیا شکوہ
دیوانہ ہے دیوانہ

ماہیے کی اصل دھن وہ بنیادی نکتہ ہے جس سے اس کے وزن کو بخوبی اور

آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ماہیے کے وزن اور اس کے دوسرے مصرعہ میں فرق کی نزاکت پر اردو میں یہ اتنا اہم نوعیت کا کام ہوا ہے جس سے پنجابی ادب کے دانشور بھی بہتر طور پر استفادہ کر سکتے ہیں۔

جہاں تک ماہیے کے مزاج کے مسئلے کا تعلق ہے اس کے بارے میں وزن کی طرح کوئی حتمی اور دوٹوک بات کرنا ممکن نہیں ہے۔ وزن کو ماہیے کا جسم سمجھ لیں تو مزاج اس کی روح ہے۔جسم کی حد معین ہوتی ہے جبکہ روح کا مختلف حوالوں سے صرف احساس کیا جا سکتا ہے۔اس مثال سے قطع نظر مزاج کا معاملہ زیادہ تر قاری یا سامع کے ذوق پر منحصر ہے پنجابی میں کئی ایسے ماہیے ملتے ہیں جنہیں مزاج کی کسی خاص حد میں لانا مشکل ہے۔

باگے وچ دریاں نیں
اللہ میاں پاس کرے
اساں فیساں بھریاں نیں

حمدیہ، نعتیہ ماہیے، ظلم اور جبر کے خلاف احتجاج والے ماہیے بھی پنجابی ماہیے کے اس عمومی مزاج سے بالکل مختلف ہیں جو عام طور پر پنجابی ماہیے کی شناخت ہے۔جس طرح ماہیے کے مزاج کا زیادہ تر انحصار قاری یا سامع کے ذوق اور مزاج پر ہے ویسے ہی ماہیا نگار کا ذاتی ذوق اور مزاج بھی اس کے ماہیوں میں فطری طور پر آئے گا۔کوئی نظم نگار شاعر جب ماہیے کہے گا تو ان میں نظم کے اثرات آئیں گے۔کوئی غزل گو شاعر ماہیے کہے گا تو اس کے ماہیے میں غزل کے اثرات کچھ نہ کچھ تو ضرور آئیں گے۔اسی طرح اردو کے گیت نگار اگر ماہیے کہیں گے تو گیت کی ہندی روایت بھی اپنا اثر دکھائے گی۔ نظم، غزل اور گیت کے اثرات اردو ماہیے کے تشخص کو ختم نہیں کریں گے بلکہ اسے تازہ خون فراہم کریں گے۔ان اثرات سے ماہیے کا مزاج مزید بہتر ہوگا۔

اس میں شک نہیں کہ پنجاب کی زمین سے تعلق رکھنے والے شعرا جب ماہیے

کہیں گے تو ان کے ہاں ماہیے کی مٹھاس اور خوشبو از خود آتی جائے گی بہ نسبت ان شعراء کے جو پنجاب کی زمین سے دور ہیں لیکن گزشتہ پانچ برسوں میں یہ حقیقت بھی سامنے آئی ہے کہ پنجاب کی زمین سے جڑے ہوئے بعض شاعروں نے بڑے ہی بے رس اور پھیکے ماہیے بھی کہے ہیں اور دوسری طرف بہار، کرناٹک، مہاراشٹر اور راجستھان جیسے دور دراز علاقوں کے شعراء نے ماہیے کو محبت کی نظر سے دیکھا، اس کے وزن اور مزاج کو سمجھنے کی مخلصانہ کوشش کی اور ماہیے سے اپنی گہری وابستگی کے باعث بعض ایسے خوبصورت ماہیے کہے جو پنجابی ماہیے کی روایت سے جڑے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس تخلیقی عمل کے دوران اردو اور پنجابی کے لسانی سسٹم کا وہ حصہ ان کا لاشعوری طور پر ممد ہوا ہو جو دونوں زبانوں میں مشترکہ طور پر موجود ہے۔لہٰذا یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ چونکہ فلاں شاعر پنجاب سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اس کے تمام ماہیے مزاجاً اچھے ہیں اور فلاں شاعر پنجاب سے تعلق نہیں رکھتا اس لئے وہ ماہیے کہہ ہی نہیں سکتا۔ یہ ماہیے سے اپنی اپنی وابستگی پر منحصر ہے۔قصیدے سے نکلی ہوئی غزل عربی اور فارسی سے ہوتی ہوئی اردو شاعری کی جان بن سکتی ہے تو پنجابی اور اردو میں لسانی قربت کے باعث پنجابی ماہیا بھی کسی تخصیص کے بغیر اردو شاعروں میں مقبول ہو کر اردو شاعری میں اپنا مقام بنا سکتا ہے۔ پھر جس طرح غزل عورتوں کی باتیں کرنے اور عورتوں سے باتیں کرنے کا بنیادی مزاج رکھنے کے باوجود اپنے ارتقا میں کتنے ہی عالمی، کائناتی اور مابعد الطبیعاتی موضوعات کا خوبصورتی سے ذکر کر چکی ہے اور یوں اپنے دامن کو وسیع تر کر چکی ہے۔ ویسے ہی یہ ممکن ہے کہ ماہیا محبت اور دھرتی سے منسلک رہتے ہوئے ارتقا کی منزلیں سر کرے اور لگے بندھے موضوعات سے آگے کے موضوعات بھی اس کے دامن میں سماتے جائیں۔ ماہیے کے مزاج کے نام پر اس کے موضوعات کو محدود کر کے اسے تکرار کا شکار بنانے سے بہتر ہے کہ اس کے موضوعات میں وسعت پیدا کی جائے ۔موضوعات میں وسعت کے باعث اگر بعض نئے تجربے کچے رہ جائیں یا نامانوس سے لگیں تو انہیں اس

لئے برداشت کر لینا چاہئے کہ آگے چل کر ان ادھورے یا کچے تجربات سے نئے اور کامیاب تجربات کی راہیں ضرور نکلیں گی۔

اپنے تمام محبت کرنے والے اور خوبصورت ماہیا نگاروں کے ساتھ اردو ماہیے کو ایک لمبا سفر کرنا ہے۔

اور ابھی سفر کی ابتدا ہے۔

☆☆☆☆

ہمارے ماہیا نگار

ماہیے کے وزن کی درستی کی بحث کے ساتھ درست وزن کی ماہیا نگاری کو بھی فروغ ملنے لگا۔ یوں تو ہر ماہیا اپنی جگہ مکمل نظم ہوتا ہے تاہم سوال جواب کی صورت میں ماہیوں کے نمونے پنجابی میں بھی ملتے ہیں اور اردو میں بھی۔ تا حال اردو ماہیے کا جو اولین نمونہ ہے وہ بھی دوگانے کی صورت میں ہے۔قمر جلال آبادی کے لکھے، محمد رفیع اور آشا بھونسلے کی آوازوں میں گائے ،فلم پھاگن کے یہ ماہیے''اردو میں ماہیا نگاری کی ابتداء'' میں درج کئے جا چکے ہیں۔ان کے بعد میں نے مکالمے کی صورت میں چند ماہیے کہے تھے۔ یہ مکالماتی ماہیے پاکستان اور بھارت کے بعض رسائل میں چھپ چکے ہیں۔ میرے شعری مجموعہ''عمرِ گریزاں'' میں شامل ہیں اور میرے ماہیوں کے مجموعہ''محبت کے پھول'' میں بھی شامل ہیں۔ مکالماتی ماہیے کہنے میں تیسرا نمبر قاضی اعجاز محور کا ہے۔ ان کے یہ مکالماتی ماہیے دیکھیں:

مرد: ٹوٹے نہ یہ دل گوری
جیسے یہ کہتا ہے
تو اس سے مل گوری

عورت: دل کا تو بہانہ ہے
تیرا ہے کیا مطلب
میں نے اب جانا ہے

O

مرد: نزدیک تو آ گوری
کون ہیں ہم تیرے
ہم کو بتلا گوری

عورت: کیوں رہتے ہو یوں گھیرے
کیسے کہوں تم سے
تم کچھ بھی نہیں میرے

O

مرد: ہم تو ہیں کھرے دل کے
ساتھ نہ چھوڑیں گے
تو دیکھ ذرا مل کے

O

عورت: تم لوگ ہو دیوانے
کیسے دوانوں کی
کوئی باتیں سچ جانے

O

O

سعید شباب نے کسی ایک لفظ کے حوالے سے ماہیے کہنے کی طرح ڈالی اور اسی لفظ کو ماہیوں کا عنوان بنا دیا۔ انہوں نے ''دل''، ''ماہیے'' اور ''دیوانے'' کے عنوان سے عمدہ ماہیے پیش کیے۔

ان کے بعد نذیر فتح پوری نے اس روایت کو آگے بڑھایا۔ انہوں نے احد، احمد، تتلی، ساون، حمد، کتاب اور بعض دوسرے عنادین کے تحت اپنے ماہیے پیش کئے۔ میں نے کسی لفظ کے حوالے کی بجائے ایک موضوع کے تحت ماہیے پیش کئے ہیں۔ ''محبت کے پھول'' میں میرے ایسے ماہیے ''اپنے مولا کے حضور''، ''سوہنی دھرتی''، ''ایک باغ میں ملنے والی ایک لڑکی''۔ ''۵ جولائی ۱۹۷۷ء''، ''شادی بیاہ''، ''پھر وہی داستاں'' اور ''اکتساب'' کے عنادین کے تحت شامل ہیں۔

ایسے تجربات کے باوجود اصلاً ہر ماہیا اپنی جگہ مکمل ہوتا ہے۔ اسی لیے کسی ایک موضوع یا لفظ کو بنیاد بنا کر متعدد ماہیے کہنے سے زیادہ ایسے ماہیے کہے گئے جو اپنے نفس مضمون کے لحاظ سے اپنی اپنی جگہ مکمل ہیں۔ یہاں اسی حوالے سے اردو کے اب تک کے معلوم تمام ماہیا نگاروں کے تعارف کے طور پر ان کے ماہیے درج کئے جاتے ہیں۔

زنجیر ہے پاؤں کی
راہ نہیں بھولے
ڈھولا ترے گاؤں کی
(یوسف اختر)

بھیگے ہوئے آنچل نے
راز اگل ڈالا
پھیلے ہوئے کاجل نے
(یوسف اختر)

شادی کے جھمیلے میں
شعروادب چھوٹا
بس ایک ہی ریلے میں
(غزالہ طلعت)

زخموں کے نوادر ہیں
میری نگاہوں میں
خوں رنگ مناظر ہیں
(انور مینائی)

کاغذ کے گلابوں پر
تتلی نہیں آتی
مصنوعی بہاروں پر
(بقا صدیقی)

کہنے کو تو روٹھے ہو
خوشبو بن کے مگر
ہر سانس میں بستے ہو
(ضمیر اظہر)

ناکام تمنائیں
ہم اس جینے سے
بہتر ہے کہ مر جائیں
(اجمل جنڈیالوی)

نرمی کے حوالے ہیں
اولے نہیں ہیں جی
یہ برف کے گالے ہیں
(غزالہ طلعت)

بے موت ہی مرتے ہیں
پروازیں کیسی
جب پنکھ ہی ٹوٹے ہیں
(انور مینائی)

پھولوں کی طرح رکھتے
پیار جو کرتے تم
رنگوں کی طرح رکھتے
(بقاء صدیقی)

کھڑکی پہ چڑھی بیلیں
گم صم میں تنہا
سکھیاں مری سب کھیلیں
(ضمیر اظہر)

مرشد سے نہ پیروں سے
رفعت ملتی ہے
پاکیزہ ضمیروں سے
(اجمل جنڈیالوی)

اشک آنکھ میں ترس گئے
سامنا ہوتے ہی
سب بادل برس گئے
(امین خیال)

بوروں سے لدی بیلیں
آؤ بغیچوں میں
ہم پھول پری کھیلیں
(افتخار شفیع)

مت دل کو دکھایا کرو
ہجر کے ماروں کے
خوابوں میں تو آیا کرو
(سعید شباب)

آ جاؤں نہ دھوکے میں
جند مری لشکے
گوری ترے کوکے میں
(پروین کمار اشک)

ہے مانگ پناہوں کی
خوب درِ دل پر
دستک ہے نگاہوں کی
(رشید اعجاز)

چشمے کہساروں کے
دیس مرے میں اب
چرچے ہیں بہاروں کے
(امین خیال)

گمنام کہانی ہے
پہلی محبت کی
روداد پرانی ہے
(افتخار شفیع)

عشق اپنا کھرا رکھنا
موسم ہو کوئی
زخموں کو ہرا رکھنا
(سعید شباب)

دل طائر کیوں چہکے
آگ کو چھوتے ہی
جب باس متی مہکے
(پروین کمار اشک)

ذہنوں میں اترتا ہے
عکس بجھے دل کا
سوچوں سے نکھرتا ہے
(رشید اعجاز)

اک اور ہی منظر ہے
چنچل آنکھوں میں
سیتا کا سوئمبر ہے
(شجاعت علی راہی)

ساون کے مہینے میں
دور ہیں ہم، تم سے
اک پیاس ہے سینے میں
(ندیم شعیب)

برسات کا موسم ہے
دل کے زخموں کا
ترا نام ہی مرہم ہے
(رانا غلام شبیر)

ندیا کے کنارے ہیں
ہار کے جیتے تم
ہم جیتے کے ہارے ہیں
(ارشد نعیم)

پنچھی ہیں ہواؤں میں
صرف تجھے ساجن
مانگا تھا دعاؤں میں
(نوید رضا)

تاریکیٔ زنداں ہوں
صبح بنارس تو
میں شام غریباں ہوں
(شجاعت علی راہی)

ماہی مرا آئے گا
جھیل کنارے پر
وہ گیت سنائے گا
(ندیم شعیب)

احساس کی دولت سے
قسمت بدلی ہے
انساں کی محبت ہے
(رانا غلام شبیر)

ملنے کا ارادہ ہے
اب کے برس جانم
تری یاد زیادہ ہے
(ارشد نعیم)

کس ہاتھ کی ریکھا ہے
بعد زمانے کے
میں نے اسے دیکھا ہے
(نوید رضا)

ساون کی فضاؤں میں
خوشبو کا افسانہ
زلفوں کی گھٹاؤں میں
(مناظر عاشق ہرگانوی)

یوں خواب سجاتے ہیں
لوگ زمینوں پر
آکاش سجاتے ہیں
(نذیر فتح پوری)

کب دل پر چاتی ہے
اب تصویر تری
چپ رہ کے ستاتی ہے
(فرحت نواز)

کھڑکی سے نہیں جھانکا
آج دوپٹے پر
تارا بھی نہیں ٹانکا
(منزہ اختر شاد)

ہے کیسا چلن ساتھی
دھوپ میں جلتا ہے
دن رات بدن ساتھی
(صدف جعفری)

کچھ اور سنور جائے
رات سہانی ہے
سپنوں میں گزر جائے
(مناظر عاشق ہرگانوی)

اشکوں کی روانی لکھ
نیندا چٹ جائے
تب دل کی کہانی لکھ
(نذیر فتح پوری)

یوں راز بتانا ہے
ہاتھوں میں ہم نے
جگنو کو چھپانا ہے
(فرحت نواز)

تکلے پر پونی ہو
ٹوٹے جب دھاگا
دکھ چاہ در دونی ہو
(منزہ اختر شاد)

سب راز بتا دے گا
بھٹکا مسافر ہی
منزل کا پتہ دے گا
(صدف جعفری)

دو لفظ کہانی کے
کاٹے نہیں کٹتے
یہ لمحے جوانی کے
(نذر عباس)

موسم کی سحر خیزی
کب میرا رہتا
اس کو تھی بہت تیزی
(خاور اعجاز)

ہم سہمے پرندے ہیں
سبز رتوں میں بھی
پرواز سے ڈرتے ہیں
(حسن عباس رضا)

رستے میں اندھیرا ہے
ٹھیک سہی لیکن
آنکھوں میں سویرا ہے
(قمر ساحری)

پلکوں سے اتارے تھے
جھلمل کرتے جو
یادوں کے ستارے تھے
(اجمل پاشا)

یہ سلسلہ جاری ہے
پیار کی بازی تو
جیتی کبھی، ہاری ہے
(نذر عباس)

دیوار سے آگے ہے
میں کیسے پہنچوں
وہ دار سے آگے ہے
(خاور اعجاز)

دل اپنے کشادہ تھے
اس لیے رونا پڑا
ہم ہنستے زیادہ تھے
(حسن عباس رضا)

پروائے جہاں کس کو
وقت بگولہ ہے
پہچانے کہاں کس کو
(قمر ساحری)

پیار ایسے نبھا دیں گے
قول کے پکے ہیں
دنیا کو دکھا دیں گے
(اجمل پاشا)

اک ایسی گھڑی ہوگی
مل نہیں پائیں گے
وہاں بھیڑ بڑی ہوگی
(آل عمران)

کیا رکھو گے پانی پر
پہلے یقیں کر لو
شعلوں کی جوانی پر
(نیاز احمد مجاز)

ہونا نہ الگ ماہیا
دل کی انگوٹھی میں
تیرا پیار ہے نگ ماہیا
(تنویر نوازش)

سیتا کی کہانی ہے
چاند میں ہالا ہے
لچھمن کی نشانی ہے
(وقیع منظر)

ترے پیار کے مارے ہیں
شک نہ کبھی کرنا
ہم دل سے تمہارے ہیں
(بسمہ طاہر)

کیسی بیماری ہے
چڑھتے سورج کا
ہر شخص پجاری ہے
(آل عمران)

کاغذ پہ ہے مہنگائی
کیسے کرو گے اب
لفظوں سے شناسائی
(نیاز احمد مجاز)

مخمور بناتا جا
نین کٹوروں سے
دو گھونٹ پلاتا جا
(تنویر نوازش)

پردیسی نہ گھر آیا
چاک فلک کر کے
اک چاند ابھر آیا
(وقیع منظر)

کھیتوں میں کھلی سرسوں
داغ جدائی کے
مٹ سکتے نہیں برسوں
(رستم نامی)

ساحل پہ نہ چھل آئی
کل تجھے آنا تھا
پر تیری نہ کل آئی
(ایم۔اے تنویر)

جب یاد تری آئی
ہجر کی راتوں میں
بڑھ جاتی ہے تنہائی
(ذوالفقار احسن)

یہ حسن، یہ رعنائی
رب کی امانت ہے
اے دلبر ہرجائی
(ڈاکٹر صابر آفاقی)

تنہائی میں وہ آئے
مجھ سے گلے مل کر
چپ چاپ بچھڑ جائے
(احمد حسین مجاہد)

آنکھوں میں بھرا اُجلا
مست مناظر میں
ہو جاؤں نہ میں پگلا
(عارف فرہاد)

سنسان ہوئیں سڑکیں
چاندنی جب پھیلے
دل گوریوں کے دھڑکیں
(شبہ طراز)

اک نقش مٹانے میں
جیون بیت گیا
یادوں کو بھلانے میں
(ذوالفقار احسن)

تن چھلنی ہے تیروں سے
ہم کو بچا مولا!
اس دور کے پیروں سے
(ڈاکٹر صابر آفاقی)

آواز نہ دہراؤ
برف برسنے سے
پہلے ہی چلے آؤ
(احمد حسین مجاہد)

مہکا ہے خیال اس کا
وجد کا عالم ہے
یا کوئی جمال اس کا
(عارف فرہاد)

جھرنوں کی طرح پھوٹے
جھوٹ مری باتیں
آنسو تو نہیں جھوٹے
(مشتاق شاد)

کیا حکم ہے پیاسوں کو
شہر کا ہر دریا
تشنہ ہے بہت اب تو
(یونس احمر)

شہروں میں ہوا آئے
خوشبو گاؤں کی
ساتھ اپنے اٹھا لائے
(طفیل خلش)

دمساز نہیں کوئی
حال کہیں کس سے
ہم راز نہیں کوئی
(مشتاق احمد)

کوئی چیز گنوا بیٹھے
یاد انہیں آیا
جب ہم کو بھلا بیٹھے
(شوکت مہدی)

ماں خوف سے جاگ گئی
خواب میں دیکھا تھا
لڑکی کہیں بھاگ گئی
(مشتاق شاد)

واعظ کا تکلم بھی
کیف سے عاری ہے
انداز تبسم بھی
(یونس احمر)

تم آئے خیالوں میں
کتنے قریب تھے ہم
بیتے ہوئے سالوں میں
(طفیل خلش)

پامال تو ہونا ہے
موت کے ہاتھوں میں
انسان کھلونا ہے
(مشتاق احمد)

تو درد سے عاری ہے
رات جدائی کی
کانٹوں پہ گزاری ہے
(شوکت مہدی)

بادل بھی نہیں چھاتے
قحط پڑا ایسا
آنسو بھی نہیں آتے
(سیما شکیب)

سچ کہنے سے ڈرتے ہو
رب سے نہیں ڈرتے
پر لوگوں سے ڈرتے ہو
(عبدالجلیل عباد)

مرد: میری چھت پہ آیا کرو
ٹیچر بن کے تم
مجھے پیار سکھایا کرو
(وپن ہانڈا۔فلم اف یہ محبت)

گم نام جزیروں میں
ڈھونڈ رہا ہے کیا
ہاتھوں کی لکیروں میں
(اشعر اورینوی)

مجبور ہوئے ایسے
چھوڑ کے دیس اپنا
پردیس میں آ پہنچے
(سجاد مرزا)

اک چاند سا چمکے ہے
پیار ترا پگلی
آنکھوں سے چھلکے ہے
(نازیہ رحمٰن ناز)

تصویریں بناتا ہوں
رنگ نہیں ملتے
خوں اپنا بہاتا ہوں
(منظر نقوی)

عورت: میری چھت پہ آیا کرو
جب میں سو جاؤں
مری مکھیاں اڑایا کرو
(وپن ہانڈا۔فلم اف یہ محبت)

طوفان، بھنور، دریا
دل میں تری چاہت
میں پھر بھی رہا پیاسا
(اشعر اورینوی)

خوابوں میں چلے آؤ
اپنے پجاری کو
تم اور نہ تڑپاؤ
(سجاد مرزا)

منہ زور جوانی ہے
عشق میں کیا حاصل
پانی میں مدھانی ہے
(جان کاشمیری)

دو پھول اناروں کے
کب وہ پوچھے گا
حالات بیماروں کے
(امجد حمید حسن)

یہ دن کب دیکھا تھا
ہم یوں جدا ہوں گے
کب پہلے یہ سوچا تھا
(یاسمین مبارک)

دل زرد کے صحرا میں
گم ہو یہ دنیا
اس درد کے صحرا میں
(دلشاد علی دلشاد)

رت آ گئی یادوں کی
ایک ستمگر کی
اور ٹوٹتے وعدوں کی
(ثریا شہاب)

ارمان یہ نکلیں گے
مطلع فاراں کے
ہم چاند کو دیکھیں گے
(محمد اقبال نجمی)

تم پیار سے پیارے ہو
دو جگ روٹھ گئے
اک تم تو سہارے ہو
(کندن لاہوری)

دلدار وہ ایسا ہے
انگ گلاب اس کا
رنگ سیبوں جیسا ہے
(نوید امین اعظم)

تیرے ہی سہارے میں
بندے ہم تیرے
یہ بھاگ ہمارے ہیں
(بشارت احمد بشارت)

کیوں تیرا خیال آئے
تیز ہوا جب بھی
سر کھڑکی سے ٹکرائے
(ثریا شہاب)

یہ کون سا رشتہ ہے
جب بھی اسے دیکھوں
دل میرا دھڑکتا ہے
(ڈاکٹر عارف حسن خان)

دریا میں رواں کشتی
تیری عنایت کو
میں بھول نہیں سکتی
(شاہدہ ناز)

سب سپنے ٹوٹ گئے
تھے جو کبھی اپنے
وہ ساجن روٹھ گئے
(ڈاکٹر عارف حسن خان)

اک پھول چنبیلی کا
ملنا لگا اچھا
بچپن کی سہیلی کا
(شاہدہ ناز)

قاضی اعجاز محور سے شاہدہ ناز تک درج ماہیا نگاروں کی تعداد 62 بنتی ہے۔ اس تعداد میں قمر جلال آبادی، ساحر لدھیانوی اور حیدر قریشی کے نام بھی شامل کر لیں تو تادم تحریر ماہیا نگاروں کی تعداد 65 تک جا پہنچتی ہے ان ماہیا نگاروں میں قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی کو اردو ماہیے کے بانی قرار دیا جا سکتا ہے۔ باقی ماہیا نگاروں کی تعارفی درجہ بندی چار حصوں میں کی جا سکتی ہے۔

ان میں سے چند ماہیا نگار ایسے ہیں جنہوں نے زیادہ تر ثلاثی لکھے ہیں لیکن درست وزن والے چند ماہیے بھی لکھ دیئے ہیں۔ ان شعرا میں حسن عباس رضا اور ایم اے تنویر کے نام بطور خاص لئے جا سکتے ہیں۔ چند ماہیا نگار ایسے ہیں جنہیں ابھی وزن پر پوری گرفت حاصل نہیں ہے تاہم وہ اخلاص کے ساتھ درست وزن کو اپنانے کی کوشش ضرور کر رہے ہیں۔ ایسے ماہیا نگاروں میں بشارت احمد بشارت، نیاز احمد نیاز، نذر عباس اور بعض دیگر شعرا شامل ہیں۔

چند ماہیا نگار ایسے ہیں جنہوں نے درست وزن کو سمجھا اور مانا۔ گنتی کے چند ماہیے کہہ کر رک گئے۔ شاید ماہیا ان کے مزاج کا حصہ نہیں بن سکا۔ ایسے ماہیا نگاروں میں رستم نامی، منظر نقوی، اجمل جنڈیالوی اور نوید رضا جیسے عمدہ شعرا شامل ہیں۔

ان ماہیا نگاروں میں بعض ایسے شعرا بھی ہیں جنہوں نے پہلے تین ہم وزن مصرعوں کے ثلاثی کہے۔ جب انہیں حقیقت حال کا علم ہوا انہوں نے غلط وزن کو ترک کر کے درست وزن کو اختیار کر لیا۔ ایسے شعرا میں ضمیر اظہر، عارف فرہاد، یوسف اختر، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، انور مینائی، نذیر فتح پوری جیسے اہم شعرا شامل ہیں۔ ان ماہیا نگاروں سمیت ایک بڑی اکثریت ایسے ماہیا نگاروں کی ہے جو ماہیے کے مزاج اور وزن کو بخوبی سمجھتے ہیں اور ماہیے کے موضوعات میں وسعت پیدا کر کے اپنی اپنی بساط کے مطابق تخلیقات پیش کر رہے ہیں۔

اردو ماہیے کے موضوعات

ماہیے کا بنیادی موضوع محبت ہے۔ اس موضوع کے تحت محبوب کے حسن کی تعریف، پیار کے اظہار اور اقرار، محبت میں تکرار، عہد و پیمان، ملن اور جدائی، گلے شکوے اور کھلی ڈلی قسم کی چھیڑ چھاڑ کے مضامین آ جاتے ہیں۔ شادی بیاہ کے مختلف جذبات، دیہاتی ماحول اور دھرتی سے وابستگی بھی ماہیے کے اہم موضوع ہیں۔ مختلف رشتہ داریوں کا ذکر بھی ماہیے کا موضوع رہا ہے۔

ان موضوعات کے علاوہ حمد، نعت، منقبت، میلے ٹھیلے، روز مرہ زندگی کے معاملات اور زندگی کے مسائل بھی ماہیے میں بیان ہوتے رہے ہیں۔ اگرچہ ایسے بعض موضوعات کو پنجابی میں ہلکا سا ہی چھوا گیا ہے۔

گزشتہ پانچ چھ سال کے مختصر سے عرصہ میں اردو ماہیے کے جو نمونے سامنے آئے ہیں ان میں نہ صرف پنجابی ماہیے کے تقریباً تمام موضوعات ملتے ہیں بلکہ پنجابی روایت سے آگے کا سفر بھی دکھائی دیتا ہے۔

حمدیہ ماہیوں میں اس انداز کے ماہیے ملتے ہیں:

ہے سارا کمال اس کا
ایسا جمالی وہ
ہر شے میں جلال اس کا
(نذیر فتح پوری)

تو ندیا ہے جاپوں کی
پار لگا مجھ کو
میں کشتی ہوں پاپوں کی
(پروین کمار اشک)

کوئل کوکو بولے
سن کرحق کی صدا
دل اللہ ہو، بولے
(آل عمران)

سچ ہے کہ بھلاوا ہے
ہم سےنہیں مطلب
جو کچھ ہے خدا کا ہے
(رشید اعجاز)

تو خود میں اکیلا ہے
تیرے دم سےمگر
سنسار کا میلہ ہے
(حیدر قریشی)

منظر بھی نکھر جائیں
اس کا اشارہ ہو
حالات سنور جائیں
(ذوالفقار احسن)

حمدیہ ماہیوں کے ساتھ خوبصورت نعتیہ ماہیے بھی کہے گئے ہیں۔
ان میں کہیں حضرت محمدﷺ سے محبت کا اظہار کیا گیا ہے اور ان کی غلامی کرنے پر خوشی کا اظہار کیا گیا ہے اور کہیں حضورﷺ کی پاک زندگی کے بعض منور گوشے بیان کئے گئے ہیں۔

لذت ہی نرالی ہے
داورمحشر سے
لوہم نے لگا لی ہے
(رشید اعجاز)

کیا شستہ کلامی ہے
ہر شے سے بہتر ہے
احمدﷺ کی غلامی ہے
(اجمل جنڈیالوی)

جو اپنی قبائیں تھیں
سرورِ عالمﷺ نے
دشمن کو عطا کر دیں
(نذیر فتح پوری)

سب صبحوں کا تاج ہوئی
رحمتِ عالمﷺ کو
جس شب معراج ہوئی
(حیدر قریشی)

آنحضرتﷺ کی ذات بابرکات کی نسبت سے مدینہ شریف کی برکات کا ذکر بھی ماہیوں میں کیا گیا ہے:

اس اوراجالے ہیں
جائیں مدینے جو
وہ قسمت والے ہیں
(سعید شباب)

سوہنا گلدستہ ہے
شہرمدینہ پر
اک نور برستا ہے
(آل عمران)

اک بات ہے سینے میں
جان مری نکلے
مولا کے مدینے میں
(اجمل جنڈیالوی)

روزوں کا مہینہ ہے
میری آنکھوں کا
مسکن وہ مدینہ ہے
(عارف فرہاد)

اشکوں سے ہیں آنکھیں تر
لاکھوں درودوسلام
اے رحمتوں کے پیکر
(شاہدہ ناز)

پھولوں سے بھری ڈالی
روضہ اطہر کی
دیکھوں گی کبھی جالی
(شاہدہ ناز)

دعائیہ اور فقیری مزاج کے ماہیے بھی کہے گئے ہیں جنہیں حمد و نعت کے دینی موضوع کے تسلسل میں دیکھا جا سکتا ہے۔

یہ نگری فقیروں کی
بڑھ کر ہیروں سے
قیمت یہاں منکوں کی
(ضمیر اظہر)

اس روز ہی بہتر تھے
آج یقیں آیا
جس روز بَہتّر تھے
(نذیر فتح پوری)

درگاہ میں کیا آؤں
پاپ کی گٹھڑی ہوں
نذرانہ میں کیا لاؤں
(پروین کمار اشک)

برفی میں پستہ ہے
بخش خطا میری
جو نادانستہ ہے
(خاور اعجاز)

رشتوں ناتوں کے ذکر میں ماں، باپ، بہن، بھائی، بیوی، شوہر، بیٹے، بیٹیوں وغیرہ کے بارے میں بعض عمدہ ماہیے کہے گئے ہیں:

اک نور خلاؤں میں
دیکھو تاثیریں
دادی کی دعاؤں میں
(آل عمران)

ممتا بھرا سینہ ہے
دل مری امی کا
چاہت کا خزینہ ہے
(بسمہ طاہر)

گڑیا کہلاتی ہے
اپنے بابا کے
جب پاؤں دباتی ہے
(افتخار شفیع)

تلخی نہ بڑھا بھائی
دودھ کا رشتہ ہے
مت زہر ملا بھائی
(نذیر فتح پوری)

کچھ کانچ سے گہنوں کے
رشتے ٹوٹ گئے
اک بھائی سے بہنوں کے
(یوسف اختر)

غم خوار نہیں کوئی
پہلا سا بہنوں
میں پیار نہیں کوئی
(امین خیال)

اس دل کی تورانی ہے
اور بیٹا اپنی
چاہت کی نشانی ہے
(اجمل پاشا)

برگد کی جٹائیں ہیں
ساتھ مرے اب بھی
ابو کی دعائیں ہیں
(حیدر قریشی)

بعض رشتوں کے حوالے سے غزالہ طلعت کے یہ ماہیے اپنی الگ شان رکھتے ہیں۔

سچائی گماں جیسی
رب نے بنائی نہیں
نعمت کوئی ماں جیسی

صورت مرے بھائی کی
یاد دلاتی ہے
بابا کی جدائی کی

اب راج دلاروں سے
من آنگن مہکا
بچپن کی بہاروں سے

شوہر مرے اچھے ہیں
وعدہ نہیں کرتے
وعدے کے تو سچے ہیں

دھرتی کے حوالے سے جو ماہیے کہے گئے ہیں انہیں دو حصوں میں تقسیم کر کے دیکھا جا سکتا ہے۔ پہلا حوالہ دھرتی سے براہ راست تعلق اور وابستگی کو ظاہر کرتا ہے جب کہ دھرتی کا دوسرا حوالہ اس کے ثقافتی مظاہرے سے منسلک ہو کر سامنے آتا ہے۔ پہلے دھرتی سے براہِ راست تعلق کے ضمن میں ایسے ماہیے دیکھیں جو ارض وطن سے محبت کا اظہار ہیں۔

ہمیں جان سے پیارا ہے
پاک وطن اپنا
قسمت کا ستارا ہے
(رانا غلام شبیر)

اک لمبی کہانی ہوں
فخر ہے یہ مجھ کو
میں پاکستانی ہوں
(آل عمران)

ہر رُت ہریالی ہے
پاک وطن تیری
کیا شان نرالی ہے
(امین خیال)

چترال کو چلتے ہیں
سنگ پہاڑوں کے
جہاں رنگ بدلتے ہیں
(امین خیال)

دھرتی سے محبت کا ایک انداز ارض وطن سے شروع ہو کر پورے کرۂ ارض تک پھیل جاتا ہے۔ دھرتی سے محبت کے اظہار میں دھرتی کے کرب کو محسوس کرنے کا رویہ بھی سامنے آیا ہے۔ اس نوعیت کے چند ماہیے دیکھیں:

تعبیر اک خواب کیا
مٹی کی چاہت میں
جسموں کو گلاب کیا
(یوسف اختر)

کیا باد بہاری ہے
سبز پری جیسی
یہ دھرتی ہماری ہے
(امین خیال)

زرخیز زمینوں میں
راوی بہتا ہے
پنجاب نگینوں میں
(عارف فرہاد)

بارش کوتو آنے دے
جلتی ہوئی دھرتی
کی پیاس بجھانے دے
(مناظر عاشق ہرگانوی)

مٹی کی انا بولی
میری آنکھوں کے
ساون میں اٹھی ڈولی
(عارف فرہاد)

آنکھوں میں اداسی ہے
میری طرح شاید
دھرتی بھی پیاسی ہے
(ارشد نعیم)

دھرتی کا دوسرا حوالہ ثقافتی مظاہر سے منسلک ہے۔ یہاں پنجاب کے ماحول کی خوشبو بھی ملتی ہے۔ ایسے ماہیوں میں دیہاتی ماحول، گندم کے کھلیان، سرسوں کا ساگ، اناروں کے پھول، انگور کی بیلیں، پنگھٹ، چڑیوں کی چہکاریں اور گائے کے دودھ کی دھاریں، غرض دھرتی کے مختلف ثقافتی مظاہر ماہیا نگاروں کی محبت یا کسی روگ کے ساتھ مل کر نمایاں ہوئے ہیں۔

چند ماہیے دیکھیں:

کھلیان ہے گندم کا
چھاج میں ہر دانہ
سندیس ہے بالم کا
(منزہ اختر شاد)

کھیتوں میں کھلی سرسوں
ماہی نہیں آیا
آنا تھا اسے پرسوں
(ضمیر اظہر)

کتری ہوئی امی ہے
آج اکیلی ہوں
اور رات بھی لمبی ہے
(منزہ اختر شاد)

ماہی کبھی آ ملنے
پھول اناروں کے
شاخوں پہ لگے کھلنے
(ضمیر اظہر)

بچپن کے کھیلوں کو
سائیں ہرا رکھے
انگور کی بیلوں کو
(پروین کمار اشک)

خواہش کبھی چھاؤں کی
اور کبھی چاہیں
دھوپ آپ کے گاؤں کی
(غزالہ طلعت)

اک بنڈل پانوں کا
دھان کے کھیتوں میں
زر بکھرا کسانوں کا
(امین خیال)

وہ چڑیوں کی چہکاریں
دن کے نکلتے ہی
پازیب کی جھنکاریں
(اجمل پاشا)

برگد ہو کہ بیری ہو
جگنو نہیں ملتے
جب رات اندھیری ہو
(شجاعت علی راہی)

پھولوں سے بھری جھولی
چاند ستاروں کی
پنگھٹ پہ کھڑی ٹولی
(نذر عباس)

جب اونچی ہوں پروازیں
سنتے نہیں پنچھی
پھر پیڑوں کی آوازیں
(سعید شباب)

بستی کی بہاروں کے
نغمے سے، گائے
کے دودھ کی دھاروں کے
(اجمل پاشا)

مختلف میلوں کے تعلق سے تو ابھی تک اردو ماہیے میں کچھ نہیں کہا گیا۔ البتہ عید کی تقریب کی نسبت سے چند ماہیے ضرور کہے گئے ہیں:

ہم پھول سجائیں گے
عید کے دن یارو
روٹھوں کو منائیں گے
(ذوالفقار احسن)

مت دن اب گن ڈھولا
عید مبارک ہے
ترے وصل کا دن ڈھولا
(امین خیال)

میں عید مناؤں گی
ہاتھ پہ مہندی کا
اک چاند بناؤں گی
(قاضی اعجاز محور)

یہ کیسی نوید آئی
موقع نہیں پھر بھی
تم آئے کہ عید آئی
(نذیر فتح پوری)

میلوں ٹھیلوں کی طرح شادی بیاہ کی تقریب کے تعلق سے بھی ابھی تک اردو میں ماہیے نہیں کہے گئے۔ جبکہ پنجابی ماہیوں میں شادی بیاہ کے ڈھیر سارے ماہیے کہے گئے ہیں۔ زندگی کے مسائل اور معاملات کے سلسلے میں اردو ماہیا ظلم و جبر کی نشاندہی کر کے اس کے خلاف احتجاج کرتا ہے اور صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے معاشرتی منافقتوں کا اعتراف بھی کرتا ہے۔ پنجابی میں اس نوعیت کے ماہیے بہت کم ملتے ہیں۔ اردو میں ایسے ماہیوں کو ترقی پسند تحریک کے اثرات کے زمرے میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ پہلے ظلم و جبر کی نشاندہی اور اسکے خلاف احتجاج یا ہلکے سے ردعمل کی چند مثالیں دیکھیں:

اندھوں کی حکومت ہے
بہروں کی بستی میں
انصاف اکارت ہے
(نذیر فتح پوری)

برگد ہے نہ سایہ ہے
آگ نے بستی کو
کچھ ایسا جلایا ہے
(نذیر فتح پوری)

فصلوں کی کٹائی میں
بھوک نہیں مٹتی
دن بھر کی کمائی میں
(ذوالفقار احسن)

یہ خوف و خطر کب تک!
شیر رہو بن کر
جنگل میں جیو جب تک
(قمر ساحری)

بے نور فضا چیخے
ماتم میں کس کے
رہ رہ کے ہوا چیخے
(انور مینائی)

طوفان اٹھاتے ہو
اپنی فضاؤں میں
کیوں آگ لگاتے ہو
(مناظر عاشق ہرگانوی)

اک خوف کا ڈیرا ہے
نس نس میں سب کی
دہشت کا بسیرا ہے
(بسمہ طاہر)

گھنگھور اندھیرا ہے
کوئی کرن یا رب!
بڑی دور سویرا ہے
(بسمہ طاہر)

معاشرے کے منافقانہ کردار کو بعض ماہیوں میں یوں بے نقاب کیا گیا ہے کہ معاشرے کی مصلحت پسندی، مفاد پرستی واضح ہو جاتی ہے۔

بظاہر ماہیا نگار جیسے اپنی بات کر رہا ہے لیکن حقیقتاً وہ پوری سوسائٹی کے مصلحت پسند کرداروں کو سامنے لا رہا ہے:

ہم لوگ بھکاری ہیں
چڑھتے سورج کے
ہم لوگ پجاری ہیں
(شجاعت علی راہی)

دیوار سے آگے ہے
میں کیسے پہنچوں
وہ دار سے آگے ہے
(خاور اعجاز)

ظلم اور جبر کے خلاف کہیں عزم و عمل کی صورت میں اور کہیں دعا یا امید کی صورت میں ماہیا نگاروں نے اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے:

چپ چاپ سے دکھ سہنا
جرم بڑا ہے یہ
مظلوم بنے رہنا
(امین خیال)

مکھ روشن تاروں کے
ہمت والے ہی
رخ موڑیں گے دھاروں کے
(امین خیال)

سکھ چین کا موسم دے
زخمی دھرتی کو
برسات کا مرہم دے
(سعید شباب)

موسم کو بدلنے دو
تازہ ہواؤں کو
کچھ دیر تو چلنے دو
(نذیر فتح پوری)

دل سوچ میں ڈوبا ہے
آؤ فضا بدلو
ہر سمت اندھیرا ہے
(مناظر عاشق ہرگانوی)

رنگین کہانی دو
اپنے لہو سے تم
گلشن کو جوانی دو
(مناظر عاشق ہرگانوی)

اردو میں خیال کی گہرائی یا نکتہ آفرینی کے ایسے ماہیے ملتے ہیں جو پنجابی ماہیے سے زیادہ اردو شاعری کی عطا ہیں:

کیا روپ جوانی ہیں
نقش جو دنیا میں
موجود ہیں فانی ہیں
(ضمیر اظہر)

ہم باہر رُلتے ہیں
حالانکہ دروازے
سب اندر کھلتے ہیں
(سعید شباب)

آنکھیں سرہانے پر
کھولیں گے ان کو
لیکن ترے آنے پر
(خاور اعجاز)

ہر شے کے نکھرنے تک
چاک میں گردش ہے
کوزے کے اترنے تک
(قمر ساحری)

تو درد، میں آنسو ہوں
فیصلہ مشکل ہے
تو میں ہے کہ میں تو ہوں
(پروین کمار اشک)

دریا میں بھی صحرا ہے
غور سے دیکھو تو
صحرا میں بھی دریا ہے
(انور مینائی)

لفظوں پہ نہ جا بابا
عقل کی باتیں کیا
سن دل کی صدا بابا
(رشید اعجاز)

من مچلے تو تن مچلے
ربط ہے دونوں میں
تن مچلے تو من مچلے
(نذیر فتح پوری)

آ کاش پہ ہیں تارے
چلتی سرائے میں
مہمان ہیں ہم سارے
(تنویر نوازش)

خوابوں سے نکلتے ہیں
آؤ حقیقت کی
اس دنیا میں چلتے ہیں
(اجمل پاشا)

اک ایسی گھڑی آئی
شہر ستم میں بھی
آنسو کو ہنسی آئی
(صدف جعفری)

لفظوں میں اثر بھر لے
پیار کے لہجے سے
ہر دل میں تو گھر کر لے
(صدف جعفری)

محبت کا موضوع ماہیے کا محبوب ترین موضوع ہے۔محبوب کے حسن و جمال کی تعریف اور اس سے والہانہ محبت کا اظہار کیا جاتا ہے۔اردو ماہیے میں ایسے ماہیوں کی چند مثالیں دیکھیں:

چنری پہ کناری تھی
لال پراندی بھی
ہمراز ہماری تھی
(عارف فرہاد)

پاکیزہ تری آنکھیں
پیاسوں کی خاطر
مشکیزہ تری آنکھیں
(عارف فرہاد)

ہم ایک کے لکھ دیں گے
ماہی اگر مانگے
جاں قدموں میں رکھ دیں گے
(امین خیال)

بے مثل جوانی ہے
خوشبو فدا تجھ پہ
تو پھولوں کی رانی ہے
(انور مینائی)

بادل اور پروائی
دیکھ کے گوری کو
لینے لگے انگڑائی
(سعید شباب)

خوشبو کی طرح مہکو
شاخ پہ اس دل کی
پنچھی کی طرح چہکو
(سعید شباب)

یہ پیار کا رشتہ ہے
اس کی چکوری میں
ماہی مرا چندا ہے
(ضمیر اظہر)

اے جذبۂ بے تابی
پانی کے اندر بھی
ہے پیاس سلگتی سی
(مناظر عاشق ہرگانوی)

O

ہم چاندنی راتوں میں
بھول گئے سب کچھ
تیری میٹھی باتوں میں
(رانا غلام شبیر)

کچھ خواب رنگیلے ہیں
امرت میں ڈوبے
دو ہونٹ رسیلے ہیں
(افتخار شفیع)

قاضی اعجاز محور کے ماہیوں میں محبت، جدائی، انتظار اور دوبارہ ملنے کی امید کی ایک مربوط کہانی بنتی دکھائی دیتی ہے۔

سڑکوں پہ چلے تانگا
مانگا خدا سے جب
اک ساتھ ترا مانگا

O

اک پھول چنبیلی کا
وقت نہیں کٹتا
سکھیوں میں اکیلی کا

O

بادل بھی نہیں جائے
تانگ تھی جن کی وہ
مہماں بھی نہیں آئے

سڑکوں پہ چلے لاری
اپنے مقدر میں
کب ہوگا ملن پیاری

بے چین نہ ہو ماہیا
آج اکیلے ہیں
کل ہوں گے دو ماہیا

فرحت نواز کے ہاں محبت میں بے اختیاری کی ایسی کیفیت ہے جو چھپائے نہیں چھپتی۔ ان کے یہ ماہیے دیکھیں جن میں محبت کو چھپانے کی کاوش میں ہی محبت ظاہر ہوئی

جا رہی ہے:

تتلی کو اڑاؤں میں
پیار کے رنگ کئی
کس کس کو چھپاؤں میں

وعدوں میں جکڑتا ہے
ہوش نہیں رہتا
جب ہاتھ پکڑتا ہے

O

پازیب چھنکتی تھی
اس کی ہنسی تھی یا
کوئی دھنک چمکتی تھی

موتی میں چمک آئی
نام لیا تیرا
لہجے میں کھنک آئی

O

محبت کی یادیں اردو ماہیے میں کہیں بھنور کی طرح نمودار ہوئی ہیں تو کہیں گریزاں سایہ دیوار کی طرح ظاہر ہوئی ہے۔ کہیں پناہ اور سہارا بن کر آئی ہیں تو کہیں ایمان بن کر۔۔۔

یادیں جب فریاد بننے لگتی ہیں تو دوبارہ ملنے کی امید ایک کرن بن کر اپنی جھلک دکھانے لگتی ہے۔

دریا کا کنارا ہے
یاد بھنور ہے اور
دیوانہ تمہارا ہے
(رانا غلام شبیر)

یادوں کا سہارا بھی
مجھ سے گریزاں ہے
دیوار کا سایہ بھی
(مناظر عاشق ہرگانوی)

یادوں کی پناہوں میں
زندگی گزرے گی
اب ہجر کی بانہوں میں
(سعید شباب)

لج پیار کی پالی ہے
یاد تری سجنا
ایمان بنا لی ہے
(تنویر نوازش)

کیوں اتنی جدائی ہے
آ جا سجن اب تو
تری یاد بھی آئی ہے
(بسمہ طاہر)

پھر پھوٹے کرن شاید
آس کا سج جائے
خوشبو سے چمن شاید
(صدف جعفری)

امین خیال کے ماہیوں میں یاد پہلے تڑپ بنتی ہے اور پھر لذت اور سرور میں ڈھل جاتی ہے:

پل پل تڑپاتے ہو
دل سے ذرا پوچھو
کب یاد نہ آتے ہو

سب خوشیاں مناتے ہیں
گذرے ہوئے لمحے
دل کو تڑپاتے ہیں

O O

کچھ بدلیاں ہیں چھائیاں
تیرے تصور سے
سج جاتی ہیں تنہائیاں

کوئی یاد میں روتا ہے
دل میں سرور نیا
اک پیدا ہوتا ہے

پنجابی ماہیے میں چھیڑ چھاڑ کے ایسے مضامین عام ملتے ہیں جن میں جنسی خواہش یا تجربے کا اظہار برملا ہوتا ہے۔اردو میں ماہیا نگاروں نے ابھی تک پنجابی ماہیے کی اس روایت پر دھیان نہیں دیا۔میں نے اس نوعیت کے مٹھی بھر ماہیے کہے ہیں۔دو ماہیے بطور نمونہ درج ہیں:

گل عشق کی شان کی تھی
لت پت ہونا تھا
یہ فصل ہی دھان کی تھی

کلیوں کی چٹک بھی تھی
سانولی لڑکی میں
اپلوں کی مہک بھی تھی

ایسے ماہیوں کے برعکس دکھ، درد کے مضامین اردو ماہیے میں بکثرت اور عمدگی سے بیان ہوئے ہیں۔ایسے ماہیوں میں کہیں خواہشیں بجھتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں تو کہیں حسرتوں میں ڈھلتی دکھائی دیتی ہیں:

اے کاش کبھی برسے
روز گذرتا ہے
بادل مری چھت پر سے
(پروین کمار اشک)

جذبوں کا دھواں ہوں میں
جھانک مرے اندر
اک جلتا مکاں ہوں میں
(انور مینائی)

آسودۂ جاں ہوں گے
جب تک تو آئے
ہم لوگ کہاں ہوں گے
(خاور اعجاز)

اے کاش کہ یوں ہوتا
درد مرے دل میں
اٹھتا تو کوئی روتا
(صدف جعفری)

اک گیلا چو ماہیا
میری طرح تو بھی
تنہا کبھی رو ماہیا
(قاضی اعجاز محور)

سب کیکر پھول گئے
بھولی نہ میٹاریں
پردیسی بھول گئے
(قاضی اعجاز محور)

گہرے دکھ درد کے اظہار میں محبت کی ناکامی، محبوب کی بے وفائی یا لمبی جدائی کے مضامین ماہیے میں کچھ یوں بیان ہوئے ہیں:

گاگریا پھوٹ گئی
عمروں کی یاری
پل بھر میں ٹوٹ گئی
(امین خیال)

دریاؤں کا پانی ہے
دکھ کی جہاں بھر میں
بس ایک کہانی ہے
(امین خیال)

دل درد کا جنگل تھا
رات سلگ اٹھا
گُل عالم صندل تھا
(پروین کمار اشک)

آنسو ہیں کہ موتی ہیں
روشن آنچل میں
تارے سے پروتی ہیں
(شجاعت علی راہی)

ہر زخم فروزاں ہے
درد کے صدقے میں
ہر سمت چراغاں ہے
(رشید اعجاز)

ہر سمت اداسی ہے
مل کے بچھڑ جانا
گو بات ذرا سی ہے
(احمد حسین مجاہد)

کمرے میں پڑے صوفے
درد جدائی کے
مرے ساجن کے تحفے
(نوید رضا)

باغوں میں بہار آئے
اس کی محبت میں
ہم سانس بھی ہار آئے
(یوسف اختر)

ہے رات چراغوں کی
اپنی دوالی ہے
جلتے ہوئے داغوں کی
(نذیر فتح پوری)

یہ دکھ ہیں جوانی کے
زخم ابھی تازہ
ہیں پریم کہانی کے
(رانا غلام شبیر)

اے میرے سخی داتا
میں کب اجڑا تھا
کچھ یاد نہیں آتا
(احمد حسین مجاہد)

ہوں دکھ کی پناہوں میں
تنہا چلوں کب تک
اجڑی ہوئی راہوں میں
(انور مینائی)

تو چاند بہاروں کا
بجھتا شرارہ میں
پت جھڑ کے چناروں کا
(ضمیر اظہر)

جو درد کے مارے ہیں
نام انہیں کیا دیں
ٹوٹے ہوئے تارے ہیں
(منظر نقوی)

سنتا ہے کوئی چھپ کے
شب کی اداسی میں
نغمات مری چپ کے
(ایم۔اے تنویر)

ساجن میں ترے غم میں
کتنا رویا تھا
اپریل کے موسم میں
(عارف فرہاد)

کب تیری عنایت ہے
دل زخمی کرنا
دنیا کی روایت ہے
(خاور اعجاز)

دریاؤں کا پانی ہے
اپنی محبت کی
دل دوز کہانی ہے
(افتخار شفیع)

دل اپنے کشادہ تھے
اس لیے رونا پڑا
ہم ہنستے زیادہ تھے
(حسن عباس رضا)

موسم کیوں پیلا تھا
میرے ساجن کا
ہر بول رسیلا تھا
(عارف فرہاد)

سہرے کی لڑی جاناں
دو دن کی چھاؤں
پھر دھوپ کڑی جاناں
(خاور اعجاز)

آنکھوں میں نمی سی ہے
آپ سے کیا پردہ
اک شے کی کمی سی ہے
(افتخار شفیع)

ان ماہیوں میں دکھ کا احساس دریا کے پانی، خوشبو، ستارے، زخم فروزاں، گیلی لکڑی کا دھواں، اداس خاموشی کا نغمہ، غرض ہر روپ میں آنسو بن کر آنکھ سے اترتا دکھائی دیتا ہے۔ دکھ کی یہ کیفیت جو آنسو بن کر اپنا اظہار کر جاتی ہے۔ خواتین ماہیا نگاروں کے ہاں بھی پائی جاتی ہے۔

ہم قول کے پکے تھے
روگ لگا بیٹھے
ترے پیار میں سچے تھے
(بسمہ طاہر)

کانٹوں پہ بسیرا ہے
جانِ مری جب سے
رُخ آپ نے پھیرا ہے
(بسمہ طاہر)

یہ رات اندھیری ہے
دل ہے یا فرحتؔ
زخموں کی ڈھیری ہے
(فرحت نواز)

راتوں کو جگاتا ہے
وہم ہے یا کیا ہے
رہ رہ کے ڈراتا ہے
(فرحت نواز)

اشکوں سے بھری آنکھیں
کیسے یقین کروں
جھوٹی ہیں تری باتیں
(شاہدہ ناز)

برفانی ہوائیں ہیں
دل کے دریچے میں
زخموں کی چتائیں ہیں
(شاہدہ ناز)

خواتین ماہیا نگاروں میں درد کی کسک، ہلکے سے شکوے اور حالات سے سمجھوتہ کر لینے کی صورت میں یوں ابھری ہے:

رت بدلی ہے جاڑوں کی
برف نہیں پگھلی
پر اونچے پہاڑوں کی
(غزالہ طلعت)

پتھروں میں بھی جھرنے ہیں
برتن اپنے ہمیں
اب ان ہی سے بھرنے ہیں
(غزالہ طلعت)

تاروں کی جھلمل ہے
میری دعاؤں میں
تو آج بھی شامل ہے
(شاہدہ ناز)

آکاش پہ بادل ہے
تجھ سے وفا مانگے
دل کتنا پاگل ہے
(شاہدہ ناز)

دکھوں اور غموں کو ہنسی خوشی جھیلنے کا رویہ بھی ماہیے میں نمایاں ہو رہا ہے۔اس کی دو مثالیں دیکھ لیں:

غم دل کا نہاں رکھنا
لب پہ سدا اپنے
مسرور بیاں رکھنا
(صدف جعفری)

دکھ سکھ کا میل دکھا
ہنستے گاتے ہوئے
اس ہجر کو جھیل دکھا
(فرحت نواز)

حمد،نعت، دعا، رشتے داریاں، دھرتی، دیہاتی ماحول،تقریبات، زندگی کے مسائل،محبت اور اس سے جڑے ہوئے مضامین، یہ تمام موضوعات ماہیے کے مزاج سے بڑی حد تک ہم آہنگ ہو کر اردو ماہیے میں بیان ہوئے ہیں۔کہیں کہیں اگر ہلکے سے اوپرے پن کا احساس ہوتا ہے تو ایسے مضامین میں جو پنجابی ماہیے میں نہیں ملتے۔ظاہر ہے اردو ماہیے میں ان موضوعات کے اظہار کا تجربہ ابھی ابتدائی مرحلے میں ہے۔آگے چل کر ایسے موضوعات بھی ماہیے کے مزاج کا حصہ بن جائیں گے۔میں نے ماہیے کے موضوعات کے اس ذکر میں تفصیل سے دانستہ اجتناب کیا ہے کیونکہ تفصیل سے لکھنے کی صورت میں ہر موضوع الگ مضمون کا تقاضا کرتا۔اسی لیے میں نے صرف موضوع کو نشان زد کر کے اس سے متعلق ماہیے پیش کر دیئے ہیں تا کہ اندازہ کیا جا سکے کہ اصلاح احوال کی تحریک کے پانچ چھ برس کے اندر ہی درست وزن کے ماہیے کو اردو میں کتنا فروغ ملا ہے۔متعدد شعرائے کرام نے اس طرف متوجہ ہو کر اپنے محسوسات اور جذبات کا اظہار کر کے ماہیے کے وسیع امکانات کا دروا کر دیا ہے۔اردو ماہیے کے اس سرگرم ابتدائی دور میں ان ماہیا نگاروں کی ادبی خدمات ماہیے کی تاریخ میں ہمیشہ روشن رہیں گی۔

یہ ابھی اردو ماہیے کی ابتداء ہے۔مجھے امید ہے کہ آنے والے برسوں میں ماہیا اپنے خدوخال اور مزاج کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے موضوعات میں وسعت پیدا

کرے گا اور پنجاب کا یہ لوک گیت اپنے رس اور مٹھاس کے باعث ''اردو شاعری کی ایک مقبول صنف'' قرار پائے گا۔

---

(۱) اس سلسلے میں ابھی تک صرف میں نے اور بشارت احمد بشارت نے چند ماہیے کہے ہیں جن میں شادی کے موقع پر مختلف نوعیت کے جذبات کی عکاسی کی گئی ہے۔

☆☆☆☆

امین خیال کے ماہیے

امین خیال پنجابی کے معروف شاعر ہیں۔ پنجاب کی ثقافت سے بخوبی آگاہ ہیں اور خود بھی اس ثقافت سے جڑے ہوئے ہیں۔ پنجابی کے معروف اور کہنہ مشق شاعر کی حیثیت سے جہاں دیگر اصناف شعر سے واقف ہیں وہیں ماہیے کے بھی نبض شناس ہیں۔ انہوں نے اردو میں بھی شاعری کی ہے۔ یادگار پنجابی شاعری کے علاوہ ان کی دو اہم ادبی خدمات ہیں۔ ایک یہ کہ انہوں نے دوہے لکھے اور اچھے اچھے ناقدین سے اس فن کا لوہا منوایا، دوسرا یہ کہ انہوں نے پنجابی لوک گیت ماہیے کو اردو میں پیش کیا۔ جب اردو ماہیے کے وزن کی درستی کی تحریک کا آغاز ہوا اس کے معاً بعد امین خیال نے کسی بحث مباحثہ میں پڑے بغیر درست وزن کے ماہیے پیش کر کے اپنا موقف واضح کر دیا۔ یہاں یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ امین خیال ۱۹۹۳ء سے درست وزن کے ماہیے کہہ رہے ہیں اور یہ ماہیے مختلف رسائل میں تب سے ہی چھپ رہے ہیں جب کہ مجھ سے ان کا پہلا رابطہ ۱۹۹۶ء میں ہوا ہے۔ اس حوالے سے ان کی اردو ماہیا نگاری بے حد اہمیت اختیار کر جاتی ہے کہ انہوں نے پنجابی شاعر ہونے کی حیثیت سے، پنجابی ماہیے کے درست وزن کو سمجھتے ہوئے از خود اسی وزن میں ماہیے پیش کیے۔ سو وہ اس لحاظ سے پنجابی کے شاعروں میں پہلے شاعر ہیں جنھوں نے ماہیے کے اصل وزن اور مزاج کے مطابق اردو میں ماہیے کہے اور ماہیے کو وقار اور اعتبار عطا کیا۔ امین خیال کے ماہیے پنجابی روایت کے مطابق ہیں۔ ان ماہیوں میں وہی رس اور نغمگی ہے جو پنجابی ماہیے کا طرہ امتیاز ہے۔

کچھ ملتا ہے مانگے سے
ہاتھ پکڑ میرا
میں اتروں تانگے سے

آ مست بنا ماہیا
آنکھ کے ساغر سے
کوئی نشہ پلا ماہیا

جلوے ہیں بہاروں کے
کچھ ہیں محبت کے
کچھ ان کے نظاروں کے

رہتے ہو خیالوں میں
کب دن فرقت کے
بدلیں گے وصالوں میں

اس پار کوئی جائے
اس پر جاں واروں
جو یار کو لے آئے

آ کاش پہ اُڑ جائیں
چاند پہ گھر لے لیں
اور لوٹ کے نہ آئیں

ہے بجلی کا بل ماہیا
ذات نہیں ملتی
مل جاتے ہیں دل ماہیا

کر مجھ سے وفا سائیں
دکھ کا زمانہ ہے
تو ساتھ نبھا سائیں

امین خیال کے ماہیوں میں جدائی اور انتظار کی کیفیتیں پنجاب کی ثقافت کے مختلف مظاہر کے ساتھ مل کر سامنے آتی ہیں۔محبوب دریائے چناب کے دوسری طرف رہتا ہے۔ یہاں ذہن سوہنی ،مہینوال کے کرداروں کی طرف جاتا ہے۔محبوب شاعر کے خوابوں اور خیالوں پر چھایا ہوا ہےلیکن بار بار بلانے کے باوجود نہ صرف خود نہیں آتا بلکہ اپنی خیریت کی چٹھی بھی نہیں بھیجتا۔جدائی اور انتظار کی اس حالت میں پھاگ منانے کا وقت بھی گزرا جا رہا ہے۔

آنا ہے تو آجاؤ
حال جدائی کا
سُن جاؤ، سنا جاؤ

اب کچھ بھی نہیں بھاتا
تیری جدائی میں
دل چین نہیں پاتا

کیکر کی چھاؤں ہے
پار جھناؤں سے
اُس یار کا گاؤں ہے

خوابوں میں نہ آیا کرو
جاگتی آنکھوں میں
اب آ کے سمایا کرو

کوئی چٹھی تری آتی
دنیا میں جینے کی
امید تو بندھ جاتی

رُت پھاگ منانے کی
کب تک رہ دیکھوں
ساجن ترے آنے کی

امین خیال رئیس طبقے سے نہیں،عوام کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔وہ غریب اور دُکھی عوام دکھوں سے آشنا ہی نہیں ہیں،خود بھی زندگی کے ایسے دکھوں سے گذرے ہیں۔پہلے تو وہ جبر کے سامنے خاموش ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔

بھادوں کا مہینا ہے
حبس کے موسم میں
دَم سادھ کے جینا ہے

ہم گھات نہیں بدلے
چہرے بدلے ہیں
حالات نہیں بدلے

پھر جیسے ان کی سوچ میں تبدیلی آتی ہے۔وہ ظلم، جبر اور زیادتیوں پر خاموش رہنے کو جرم قرار دیتے ہیں۔

چپ چاپ سے دکھ سہنا
جرم بڑا ہے یہ
مظلوم بنے رہنا

وہ سکھ سے نہیں رہتا
ظلم وستم کو بھی
جو ظلم نہیں کہتا

امین خیال ظلم اور ظالم کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں۔ان کے ہاں مایوس کن حالات میں بھی سچ کی فتح کی امید سلامت رہتی ہے۔ان کے ایسے ماہیوں کو اردو کی کسی روایت کے تناظر میں دیکھنے کی بجائے انہیں امین کے پنجابی غزلوں کے مجموعہ ''سُولاں سِر سرداری'' کے حوالے سے دیکھنا زیادہ مناسب ہوگا۔سو ان کے احتجاجی اور انقلابی ماہیے ایک اہم پنجابی شاعر کے دل کی آواز ہیں۔ایسے ماہیوں سے اردو میں اسی انداز کی ماہیا نگاری کا جواز بن جاتا ہے، چاہے ایسی ماہیا نگاری دوسروں کے ہاں ترقی پسند روایت سے کیوں نہ آئی ہو۔امین خیال کے اس انداز کے چند ماہیے دیکھیں:

کچھ بانٹ نہ پاتے ہیں
چھوٹی مچھلیوں کو
گھڑیال ہی کھاتے ہیں

ہے چیل اسمانوں میں
جبر کے ہوتے ہیں
چرچے ایوانوں میں

ہے درد کی اپنی لَے
چاندنی راتوں پہ
سایوں کا تسلط ہے

یہ کیسی حقیقت ہے
پھولوں پہ گلشن میں
کانٹوں کی حکومت ہے

سچ زیر نہیں ہوتا
دیر تو ہوتی ہے
اندھیر نہیں ہوتا

مکھ روشن تاروں کے
ہمت والے ہی
رُخ موڑیں گے دھاروں کے

امین خیال کے ماہیوں میں پنجابی ماہیے کی روایت کے اثرات بہت واضح ہیں۔پنجابی ماہیے میں بعض اوقات پہلے مصرعہ کا باقی ماہیے سے گہرا تعلق ہوتا ہے اور بعض اوقات سرے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، یا بہت ہی مبہم سا تعلق ہوتا ہے۔امین خیال کے ہاں تینوں مصرعوں کے بامعنی تعلق کی تو کئی مثالیں ہیں تاہم ایسے ماہیے بھی موجود ہیں جن

میں نفسِ مضمون کے لحاظ سے پہلا مصرعہ باقی ماہیے سے الگ تھلگ دکھائی دیتا ہے۔

بازار میں چینی ہے
یہ جگ فانی ہے
اور موت یقینی ہے

کوئی ائرکنڈیشن ہے
جذبے نہیں بس میں
حالات سے اَن بن ہے

امین خیال نے اردو ماہیے میں پنجابی الفاظ اور تلفظ کو بے تکلفی سے استعمال کیا ہے اور اس تجربے میں ان کے ماہیے مزید چمک اُٹھتے ہیں۔ائیرکنڈیشن، لیکھ، ڈھولا، سائیاں، جھنا، مکھ، پانوں کا بنڈل، جیسے الفاظ اس کی چند مثالیں ہیں۔امین خیال کے چند ایسے ماہیے دیکھیں جن میں ان کی سوچ اور جذبے مل کر ماہیے کے حسن میں اضافہ کر رہے ہیں۔

کہساروں میں ہیں کھائیاں
جاں کی اماں پاؤں
کچھ عرض کروں سائیاں

باغوں میں بہار آئی
چپکے سے فطرت کے
سب رنگ چرا لائی

کہہ دو غم خواروں کو
جینے نہیں دیتے
کیوں پیار کے ماروں کو

رُت میں شادابی ہے
خوشیوں کا موسم
پھر بھی بے تابی ہے

بجلی کا پلگ ماہیا
تو گر مندری ہے
میں مُندری کا نگ ماہیا

خود میں کھو جاتا ہوں
میں سے گزرتا ہوں
اور تم ہو جاتا ہوں

خوشی کی بات ہے کہ امین خیال کے ماہیوں میں دینی افکار و جذبات بھی آنے لگے ہیں۔اس سلسلے میں حمد، نعت، منقبت کے مضامین والے ماہیوں کے ساتھ بعض دینی

تعلیمات کو بھی انہوں نے ماہیے کی زبان میں پیش کیا ہے۔ان کے اس انداز کے ماہیوں کی ایک جھلک دیکھتے چلیں:

سب جگ کا تو پالک ہے
ہر شے پر قادر
ہر شے کا تو مالک ہے

طوفان کا پالا ہوں
ہاتھ پکڑ میرا
میں ڈوبنے والا ہوں

چاند آپؐ کا ہالا ہے
نام محمد ﷺ سے
گھر گھر میں اجالا ہے

نعمت ہیں جہانوں کی
پاک نبی ﷺ میرے
رحمت ہیں جہانوں کی

تاریکی سی طاری ہے
بیعت یزیدی ہی
اس دور میں جاری ہے

وحدت کے رازوں کا
کافر و مسلم میں
ہے فرق نمازوں کا

امین خیال کے ایسے ماہیے۔اردو ماہیے کے شاندار مستقبل کے گواہ ہیں:

کیسا یہ چڑھاؤ ہے
بحر ہے اشکوں کا
اور آنکھ کی ناؤ ہے

سرکار!۔نہیں ہوتا
ہر شخص محبت کا
کردار نہیں ہوتا

مٹ جائے گی بے تابی
پھر سے عطا کر دے
اس باغ کو شادابی

کر تو ہی دوا سائیں
مار ہی ڈالے گی
دلبر کی جفا سائیں

O O

بے کل کر دیتا ہے
عشق سیانوں کو
پاگل کر دیتا ہے

یوں شہد کیا بس کو
پیار سکھایا ہے
میں نے اس بے حس کو

امین خیال جیسے بنیادی طور پر پنجابی کے معروف شاعر کا اردو ماہیے کو محبت کی نظر سے دیکھنا اور اردو میں خوبصورت ماہیے عطا کرنا، اردو ماہیے کی خوش نصیبی ہے۔اردو ماہیا اپنی اس خوش نصیبی پر ناز کرتا رہے گا۔

☆☆☆☆

عارف فرہاد کے ماہیے

عارف فرہاد نوجوان جدید شاعروں میں ایک اہم نام ہے۔ ان کی شاعری میں صرف لفظیات کی تازگی ہی نہیں ملتی، خیال کی تازگی بھی ملتی ہے۔ اپنے ہم عصر نظم نگاروں میں انہیں منفرد مقام حاصل ہے۔ عارف فرہاد پہلے مساوی الاوزان مصرعوں کے ''ماہیے'' کہتے رہے ہیں۔ ادبی رسائل میں ماہیے کے وزن کے سلسلے میں جو بحث ہوتی رہی ہے وہ اسے توجہ سے پڑھتے رہے ہیں۔ انہوں نے جب محسوس کیا کہ ماہیے کا وزن اس کی دھن سے ہی دریافت کیا جا سکتا ہے اور پھر دھن کے ذریعے وہ درست وزن کو سمجھ گئے تو انہوں نے اسے اپنانے میں دیر نہیں کی۔ اس سلسلہ میں نہ تو انہوں نے اپنے موقف کی تبدیلی کو اپنی سبکی سمجھا، نہ اسے اپنی انا کا مسئلہ بنایا جیسا کہ ہمارے بعض ماہیا نما ثلاثی نگاروں نے اپنے ثلاثی کو ''ماہیے'' قرار دلوانے کو اپنی انا کا مسئلہ بنا رکھا ہے۔ عارف فرہاد کا رویہ دراصل ادب سے ان کی وابستگی اور ذاتی تعلقات پر ادبی سچائی کو فوقیت دینے کا رویہ ہے جو ہمارے ادیبوں کے عمومی طرز عمل سے مختلف اور لائق تحسین ہے۔ اردو ماہیے میں جن شعراء کے ہاں پنجابی ماحول اور ثقافت کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں عارف فرہاد بھی ان میں ایک اہم شاعر ہیں۔ ان کے چند ایسے ماہیے دیکھیں جن میں پنجابی ثقافت کے اثرات اپنی مٹھاس کے ساتھ موجود ہیں۔ ان ماہیوں میں پنجابی معاشرے کا منظر تشکیل پاتا دکھائی دیتا ہے:

پھولوں بھرے گاؤں کو
بھول نہیں سکتا
پیپل تری چھاؤں کو

کھیتوں میں اگی سرسوں
خوشبو کہتی ہے
ملنا مجھے پھر پرسوں

جھومر ترے ملتے ہیں
لوگ زمینوں کے
آکاش سے ملتے ہیں

زرخیز زمینوں میں
راوی بہتا ہے
پنجاب نگینوں میں

کوا ہے بنیرے پر
آنے والا ہے
وہ یار کے ڈیرے پر

چنری پہ کناری تھی
لال پراندی بھی
ہمراز ہماری تھی

چمپا سے، چنبیلی سے
پیار بھری باتیں
کرتی تھی سہیلی سے

جھرنا ترے گاؤں میں
دھوپ کے راہی بھی
آبیٹھے ہیں چھاؤں میں

ایسے ماہیوں میں زیادہ تر پنجابی معاشرے کا دیہات نمایاں ہے تاہم عارف فرہاد کے ماہیوں میں دیہاتی ماحول کے ساتھ ساتھ پنجاب کے شہروں کا رنگ ڈھنگ بھی موجود ہے۔ پنجاب کے نگینوں جیسے دیہاتوں میں بسنے والا راوی شہروں میں آ کر محبوب کے حسن میں ڈھل جاتا ہے اور محبت کے جذبے کے کئی رنگ اس حسن میں منعکس ہونے لگتے ہیں۔

راوی نہ بہے کیسے
حسن ترا ساجن
پردوں میں رہے کیسے

خوشبو مجھے کہتی ہے
قوس قزح بن کر
بادل پہ وہ رہتی ہے

گلبرگ کے پھولوں میں
خوشبو نہیں ویسی
صد برگ کے پھولوں میں

ٹیرس پہ جب آتی تھی
کیسے ہنس ہنس کر
وہ ہاتھ ہلاتی تھی

دل کے لیےغم ڈھونڈے
راولپنڈی میں
کیا کوئی صنم ڈھونڈے

کمخواب کے جوڑے میں
کتنا روئی ہے
اس بار وچھوڑے میں

پنجاب کے ثقافتی اثرات سے قطع نظر۔عارف فرہاد کے ماہیوں میں محبت کا والہانہ اظہار اور محبت کی یادوں کی کسک بڑی شدت سے موجود ہے۔ پہلے محبت کے اظہار کے چند خوبصورت ماہیے دیکھیں:

آ کاش کا تارا میں
حسن سمندر کا
بن جاؤں کنارا میں

چن تارے اتار آؤں
تیری آنکھوں میں
اک رات گذار آؤں

دیوار گرا سجنی
گھر کے لوگوں کو
جلدی سے منا سجنی

زنجیر کریں کیسے
خوابوں میں تجھ کو
تسخیر کریں کیسے

اور اب یادوں کے اثرات دیکھیں جن میں جدائی کا دکھ، پا نہ سکنے کا دکھ، ہوک بن کر سامنے آتا ہے:

دو ہونٹ سلیمانی
ہم سے کرتی تھی
باتیں وہ پرستانی

ساجن میں ترے غم میں
کتنا رویا تھا
اپریل کے موسم میں

بادل کوئی برسا ہے
بھیگے جسموں کو
پیاسا کوئی ترسا ہے

کس گاؤں میں آئے ہیں
چاہا ہے جن کو
وہ لوگ پرائے ہیں

اک ضرب ہتھوڑے کی
دل پہ لگی کیسے
مت پوچھ وچھوڑے کی

جھوٹے افسانے میں
کیسے ملتے ہم
بے درد زمانے میں

عارف فرہاد نے اپنے ماہیوں کے ذریعے اردو ماہیے کے دامن کو وسیع کرنے کی تخلیقی کاوش کی ہے۔اس عمل کے دوران انہوں نے جہاں ماہیے کی روایت سے خود کو کٹنے نہیں دیا وہیں روایت کی زمین میں رہتے ہوئے نئے نئے گل بوٹے کھلائے ہیں۔ان کے چند ایسے ماہیے دیکھیں:

کابل سے ہوا آئی
بہتے دریا میں
پھولوں کو بہالائی

صحرا سے گذر جائیں
پیاسے دریا میں
اک روز اتر جائیں

زیتون کی شاخوں سے
خوشبو آتی ہے
اب دل کی آہوں سے

اپنے ہیں سبھی چہرے
ہم نے ملنا ہے
تو لاکھ بٹھا پہرے

تلوار میں دیکھا تھا
حیراں آنکھوں کے
بازار میں دیکھا تھا

اس دل میں اترتی ہے
جب آئینے میں
چھپ چھپ کے سنورتی ہے

صحرا میں سراب ایسا
خوابوں میں آئے
اک شخص گلاب ایسا

کس دیس میں آئے ہیں
بنجر کھیتوں پر
جلتے ہوئے سائے ہیں

اس نوعیت کے ماہیے ابھی تجربے کے مرحلے میں ہیں۔ چونکہ ان میں ماہیے کی روایت سے آگے کا سفر ہے اس لیے بعض لوگوں کو نامانوسیت کا ہلکا سا احساس بھی ہو سکتا ہے۔ مجھے ایسے ماہیوں میں عارف فرہاد کی نظم نگاری کے مثبت اثرات کا احساس ہوا ہے۔ اردو ماہیے کو وسعت دینے کے لیے ایسے تجربات بے حد ضروری ہیں۔ اس نوعیت کے تجربات کی قدر و قیمت کا اندازہ شاید اس وقت سے زیادہ آنے والے وقت میں ہو سکے گا۔

آخر میں عارف فرہاد کے چند خوبصورت اور موضوعاتی لحاظ سے ملے جلے ماہیے پیش ہیں۔ یہ ماہیے عارف فرہاد کی ماہیا نگاری کے ساتھ اردو ماہیے کے امکانات کو بھی اجاگر کرتے ہیں:

ہم لوگ تو بچے تھے
ماں کے آنچل میں
سب موسم سچے تھے

تم عید پہ آ جانا
پیار بھری باتیں
سکھیوں کو بتا جانا

جب بھی مرے گھر آئیں
روشن آنگن ہو
چن تارے اتر آئیں

خوابوں میں سنورتی ہے
میری گلی سے وہ
کب روز گزرتی ہے

گھر چھوڑ نہ دے میرا
لڑکی دیوانی
دل توڑ نہ دے میرا

سودائی نہیں آیا
کھلتے پھولوں کا
شیدائی نہیں آیا

گاؤں کی ہوا بولی
ڈھولا کیوں رویا
یہ کس کی اٹھی ڈولی

کوئی نہ ہمیں ٹوکے
ہجر میں سجنی کے
مر جائیں گے رو رو کے

یاقوت کے دانوں سے
بھاؤ محبت کے
مت پوچھ پٹھانوں سے

ہرجائی نہیں ملتا
تیری یادوں سے
یہ زخم نہیں سلتا

☆☆☆☆

مناظر عاشق ہرگانوی کے ماہیے

بھارت کے اہم ماہیا نگاروں میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ یوں تو وہ کثیر الجہت ادیب ہیں اور انتہائی متحرک اور فعال بھی۔۔شاعری، افسانہ، تنقید، تحقیق تو ان کے خاص میدان ہیں ہی لیکن ادب میں ہونے والے نئے تجربات کا بھی انہوں نے ہمیشہ محبت کے ساتھ سواگت کیا ہے۔کوئی نیا تجربہ ادب میں کامیاب ہو یا ناکام۔یہ تو بعد کی بات ہے۔مناظر عاشق ہرگانوی کی خوبی ہے کہ انہوں نے نئے تجربات کو پنپنے کے مواقع ضرور دیئے۔آزاد غزل، ہائیکو، نثری نظم کے سلسلے میں یہ فیصلہ تو وقت کرے گا کہ ان میں سے کون سا تجربہ ادب کا جزو بنتا ہے اور کون ساختم ہو جائے گا لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان نئے تجربات کے سلسلے میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی خدمات کی ایک اہمیت بنتی ہے، تخلیقی سطح پر بھی اور بحث مباحثہ کی سطح پر بھی۔

جب ماہیے کے غلط وزن کا تجربہ اردو میں رائج ہوا تو ڈاکٹر مناظر نے بھی تین یکساں وزن کے ثلاثی ''ماہیے'' کے نام سے لکھے۔ان کے ایسے ''ماہیے'' بھارت کے بعض ادبی رسائل میں چھپ چکے ہیں۔ جب انہیں ماہیے کے اصل وزن کا علم ہوا تو انہوں نے نہ صرف درست وزن کو اپنا لیا بلکہ ماہیے کے پنجابی روپ کو سمجھنے اور پرکھنے کی کوشش بھی کرنے لگے۔ان کی اس سچی لگن کا ثمر ان کا وہ طویل مضمون ہے جو ''اردو میں ماہیا نگاری'' کے عنوان سے ماہنامہ ''صریر'' کراچی کے شمارہ جنوری ۱۹۹۷ء میں چھپ چکا ہے۔ یہی مضمون ان کی مرتب کردہ کتاب ''رم جھم رم جھم'' میں بھی بطور ''حرف اول'' شامل ہے۔اس مضمون سے ماہیے کے تئیں ان کی محبت اور اخلاص کا اندازہ کیا جا

سکتا ہے۔

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کے ماہیوں میں جو چیز فوراً متوجہ کرتی ہے وہ گھٹن کا احساس ہے۔یہ گھٹن سیاسی اور مذہبی نوعیت کی بھی ہو سکتی ہے اور کسی اور نوعیت کی بھی ہو سکتی ہے۔

طوفان اٹھاتے ہو
اپنی فضاؤں میں
کیوں آگ لگاتے ہو

زخموں کی کہانی ہے
شہر کی ویرانی
دیکھی نہیں جاتی ہے

کیسی یہ ملہاریں
آنگن آنگن کیوں
نفرت کی دیواریں

عالم انجانا ہے
محفل سونی ہے
خالی پیمانہ ہے

گلشن کی زبانوں پر
مہر خموشی تھی
ہر پھول کے ہونٹوں پر

موسم طوفانی ہے
سونے والے سن
گھر گھر ویرانی ہے

شبنم پر پہرہ ہے
بندش ہے گل پر
بلبل بے چہرہ ہے

منظر میں نہ آنے دے
خون کا قطرہ بھی
خنجر میں نہ آنے دے

سماجی جبر کے باوجود گلشن وطن سے مناظر عاشق کی وابستگی کم نہیں ہوتی۔کبھی وہ ''اہل محبت'' کی بدلی ہوئی نگاہوں پر حیران ہوتے ہیں اور کبھی مصلحت آمیز خاموشی میں عافیت محسوس کرتے ہیں:

آئی ہے سحر کیسی
اہلِ محبت کی
بدلی ہے نظر کیسی

دل اپنا بچا کر رکھ
ٹھیک نہیں موسم
خود کو پس منظر رکھ

اور کبھی تمام تر، زیادتی، ناانصافی اور گھٹن کے باوجود گلشن وطن کے لیے خون کا نذرانہ پیش کرنے پر آمادہ دکھائی دیتے ہیں:

رنگین کہانی دو
اپنے لہو سے تم
گلشن کو جوانی دو

سماجی گھٹن کے موضوع سے قطع نظر ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کے ماہیوں میں کہیں موسم کی دیوانگی اور محبت کا منظر دکھائی دیتا ہے تو کہیں خوابوں کی شکست کا احساس جاگتا ہے۔ کہیں وہ جلتی ہوئی دھرتی کی پیاس بجھانے کے لیے بارش کی تمنا کرتے ہیں تو کہیں محبت کا سفر طوفانی لہروں پر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

گل ہے پیمانہ ہے
آؤ مل بیٹھیں
موسم دیوانہ ہے

ہر گام پہ تڑپے ہیں
وقت کے ہاتھوں ہم
تقدیر سے الجھے ہیں

لمحوں کی حکایت کیا
ٹوٹ گئی ساری
خوابوں کی یہ جنت کیا

بارش کو تو آنے دے
جلتی ہوئی دھرتی
کی پیاس بجھانے دے

گھرتے طوفانوں میں
ساتھ مرا تیرا
موجوں کی لہروں میں

ڈاکٹر مناظر عاشق کی ماہیا نگاری فی الوقت رائج ماہیا نگاری کے مطابق ہے لیکن جب وہ کبھی لفظ کے جامہ کی جستجو کرتے ہیں اور کبھی وسعت معنی کی طلب ان کے ہاں شدت اختیار کرنے لگتی ہے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ ان کے اندر کا ماہیا نگار ''کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے'' کا ورد کر رہا ہے۔ اسی مقام پر اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی ماہیا نگاری اردو میں نئی راہیں تراشنا چاہتی ہے۔ نئی روایت تشکیل دینا چاہتی ہے۔ ان کی تخلیقی جستجو اس میں کس حد تک کامیاب ہوگی؟ اس کا فیصلہ تو اس وقت ہوگا جب ان کے ''کچھ اور چاہیے'' کا ارادہ لفظ و معنی سے نئی سطح پر ہم رشتہ ہوگا، تاہم اس وقت ان کی جستجو کی سچائی کا اعتراف نہ کرنا زیادتی ہوگی۔ نثری نظم اور ہائیکو کے تجربات کے مقابلہ میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی آزاد غزل کے تجربہ میں زیادہ کامیاب رہے ہیں۔ اب ماہیے سے ان کی محبت اور وابستگی دیکھتے ہوئے لگتا ہے کہ وہ ماہیے کے میدان میں آزاد غزل کے تجربہ سے بھی زیادہ کامیاب اور سرخرو ہوں گے۔

جلتی ہوئی سوچوں کو
لفظ کا جامہ دے
احساس کے زخموں کو

طوفاں کی روانی دے
شاعر کے لفظوں
میں وسعت معنی دے

احساس مروت دے
آج کے انسان کو
پھر ذوق محبت دے

کرنوں کا قرینہ کیا
شام کے سورج کا
اے دوست بھروسہ کیا

ساغر ہے نہ صہبا ہے
ہے یہ عجب محفل
ہر شخص ہی الجھا ہے

ہر سمت شرارا ہے
حسن کے جلووں کا
انداز دل آرا ہے

درویش دعا دیتے
خوابوں کا شیشہ
آنکھوں میں سجا دیتے

جینے کی ادا رکھو
خواب پریشاں کو
پلکوں پہ سجا رکھو

تصویر سیاسی تھی
شاخ ثمرور پر
پتھر کی گواہی تھی

تہذیب ادا ٹوٹی
دھوپ چمکنے سے
شبنم کی انا ٹوٹی

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کے اس انداز کے ماہیوں سے ان کے اندر کی طلب، جستجو اور اس کے امکانات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جب سے اردو میں درست وزن کی ماہیا نگاری کو فروغ ملنے لگا ہے تب سے بعض دوستوں نے ماہیے کے مزاج کا مسئلہ بھی اٹھانا شروع کر دیا ہے۔ گویا جب تک غلط وزن میں ''ماہیے'' پیش کئے جا رہے تھے تب تک ماہیے کے مزاج کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اس مسئلے پر میں الگ سے اور کافی تفصیل کے ساتھ اپنا موقف بیان کر چکا ہوں یہاں اسے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ میں یہاں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کے چند ایسے ماہیے پیش کرنا چاہتا ہوں گا جو یار لوگوں کے مبینہ مزاج کے بھی عین مطابق ہیں:

ساون کی فضاؤں میں
خوشبو کا افسانہ
زلفوں کی گھٹاؤں میں

توہین وفا کرنا
آپ کا شیوہ ہے
ہر دل پہ جفا کرنا

اے جذبۂ بے تابی
پانی کے اندر بھی
ہے پیاس سلگتی سی

ظلمت میں گھری ہوگی
دشت میں سرگرداں
آشفتہ سری میری

چاہت کے نشیمن میں
لفظ محبت لکھ
بکھراؤ ہے آنگن میں

برکھا رت آئی تھی
پھولوں کے آنگن
ہریالی چھائی تھی

شب کی حیرانی تھی
دل ڈوبا ڈوبا
کتنی ویرانی تھی

پھولوں میں لہکتی ہے
خوشبو محبت کی
سانسوں میں مہکتی ہے

ماہیے کے خدوخال اور مزاج سے آشنائی اور ماہیا نگاری سے اپنی تخلیقی محبت کے باعث ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے مختصر سے عرصہ میں اس جدید تحریک میں اپنے لیے ایک اہم اور محترم مقام بنا لیا ہے۔ درست ماہیا نگاری کی تحریک کے اس ابتدائی دور میں وہ ان متحرک ماہیا نگاروں اور نقادوں میں شامل ہیں جن کے ذکر کے بغیر آنے والے دور میں ماہیے کی تاریخ مکمل نہیں کہلا سکے گی۔

☆☆☆☆

قمر ساحری کے ماہیے

اردو ماہیے کی موجودہ تحریک سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے پروفیسر قمر ساحری چھپے رستم نکلے کہ انہوں نے بڑی ہی خاموشی کے ساتھ ماہیے سے محبت کی۔ کسی کو خبر نہ ہونے دی۔ اس محبت کا راز تب افشا ہوا جب ''بادسبز'' نے اس کی خوشبو پھیلا دی۔ میں نے ماہنامہ ''منشور'' کراچی کے ایک شمارہ میں ان کی کتاب ''بادسبز'' کا اشتہار دیکھا تو خوشگوار حیرت میں مبتلا ہوا۔ ۲۷ جولائی ۱۹۹۶ء کو میں نے انہیں ایک خط لکھا۔ انہوں نے ۶ اگست ۱۹۹۶ء کو اس کا جواب دیتے ہوئے جی خوش کر دیا۔ انہوں نے لکھا:

> ''بادسبز'' میں تین سو سے زیادہ ماہیے ہیں۔ کمپوز ہو چکے ہیں پیسٹنگ اور پرنٹنگ کے مراحل باقی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مراحل آخر اگست تک مکمل ہو ہی جائیں گے۔''

جس طرح کبھی پنجابی ہیر سنا کر پنجابیوں نے اہل درد کو لوٹ لیا تھا۔ کچھ ایسے ہی اب ماہیے کے پنجابی انگ نے اردو والوں کو اپنا اسیر بنا لیا ہے۔ قمر ساحری بھی پنجابی ماہیے کے اسیر ہیں لیکن پھر انہوں نے ماہیے کہہ کر اہل پنجاب کو بھی رقصاں کر دیا ہے:

مہتاب ہوا رقصاں
گیت لکھے ہم نے
پنجاب ہوا رقصاں

قمر ساحری کے ماہیوں میں دھرتی کے مختلف مظاہر ثقافتی سطح پر بھی اپنی جھلک دکھاتے ہیں اور محبت کی مختلف کیفیات کے ساتھ مل کر بھی جلوہ گر ہوتے ہیں اور بعض

اوقات تو سیاسی صورتحال پر بھی خوبصورتی سے منطبق ہوتے ہیں ان کے اس نوعیت کے چند ماہیے دیکھیں:

ٹھنڈک ہے فضاؤں میں
برف پہاڑوں پر
ساون ہے ہواؤں میں

جب کھیت مہکتے ہیں
رقص کریں آنچل
دل اور دھڑکتے ہیں

سکھ، چین وہیں پانا
شہر سے گھبرا کر
کھیتوں کی طرف جانا

خوشبو تو مہک اٹھے
گیت لکھوا ایسے
ہر شخص لہک اٹھے

جنگل میں گرے اولے
سرد فضاؤں میں
اب تو بھی کہیں ہولے

پھر تیری مہک آئی
دھول اڑی دل سے
آنکھوں میں چمک آئی

کچھ کر کے دکھانا ہے
وقت کے جنگل کو
گلزار بنانا ہے

ہے ساری فضا ان کی
پھول بکھرتے ہیں
چلتی ہے ہوا ان کی

بحیثیت شاعر قمر ساحری محنت کش طبقے اور غریب عوام سے محبت رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان کی ماہیا نگاری میں بھی اس محبت کا اظہار ملتا ہے۔ غریب عوام کے مسائل اور حکمرانوں کی لوٹ کھسوٹ بھی قمر ساحری کا خاص موضوع ہیں۔

سلگتے ہوئے سیاسی اور سماجی مسائل کے حوالے سے انہوں نے بہت سارے ماہیے لکھے ہیں۔ کراچی شہر کا روگ بھی ان کے ماہیوں میں دکھ بن کر اپنی جھلک دکھاتا

ہے ۔قمر ساحری کے ایسی نوعیت کے چند ماہیے دیکھیں جن میں ساری صورتحال کا کرب فکری سطح پر نمایاں ہے ۔

حیرت میں فقط ہم تم
فصل انہیں کی ہے
محنت میں فقط ہم تم

دیہات ہی میں رہ کے
لوگ رہیں بھوکے
کھلیان کہیں مہکے

پھر چیخ اٹھا کوئی
جشن ہوا برپا
پھر قتل ہوا کوئی

پتھر کا جگر رکھیں
یار بنا دشمن
کس کس پہ نظر رکھیں

ٹوٹے ہیں ستم ہم پر
حال سنائیں کیا
ہیں سب کے کرم ہم پر

خوشیاں ہیں تییموں میں
پیار کے نقشے بھی
شامل ہیں سکیموں میں

عادل ہی نہیں کوئی
عدل کہاں ہوگا
ہے نیک کہیں کوئی ؟

ظالم نہ رہے کوئی
حشر اٹھے ایسا
قاتل نہ رہے کوئی

وہ شہر نگینہ تھا
لوٹ لیا کس نے
علموں کا خزینہ تھا

انصاف کہاں ہوگا ؟
یاد ہمیں آیا
سرمایہ جہاں ہوگا

اک عمر گنوا دی ہے
صبر کریں کتنا
ہر چیز لٹا دی ہے

اک بات پہ ڈٹ جاؤ
ظلم سہیں کب تک
میداں میں نکل آؤ

قمر ساحری کی شاعری کا غالب موضوع سیاسی اور سماجی مسائل ہی ہیں ۔اس موضوع کو چھوتے ہوئے جب وہ نفس مضمون کو تھوڑا سا پردے میں رکھ کر بیان کرتے ہیں تو شاعری کا حسن دمکنے لگتا ہے ۔ان کے چند ایسے ماہیے بھی دیکھ لیں :

آنکھوں کی بھلائی سے
فیض نہیں پہنچا
قندیل نمائی سے

آئین کرم بدلا
پھول کھلے دل میں
انداز ستم بدلا

بادل تو بہت آئے
دھوپ رہی رقصاں
گرجے نہ برس پائے

باغوں میں کہاں ڈھونڈیں
پھول کہاں ہوگا
داغوں میں کہاں ڈھونڈیں

بارش جو ہوئی اب کے
پیاس بجھی لیکن
پھر ہوش اڑے سب کے

باتیں نہ بناؤ تم
اور کوئی قصہ
سن لیں گے، سناؤ تم

جذبے تو بہت سے ہیں
کام دکھاؤ تو
وعدے تو بہت سے ہیں

کچھ اور بھی جلنا ہے
آگ ابھی نم ہے
لوہے کو پگھلنا ہے

کانٹے بھی مہکتے ہیں
دور ہے کچھ ایسا
سائے بھی چمکتے ہیں

کیا اس کی دعائیں تھیں
کھیت رہے سوکھے
باتوں میں گھٹائیں تھیں

قمر ساحری کے بعض ماہیے محض مصرعوں کی ترتیب بدلنے سے ہائیکو جیسے محسوس ہوتے ہیں۔ اگر ان میں مصرعہ اولیٰ کو مصرعہ ثالث اور مصرعہ ثالث کو مصرعہ اول کر دیا جائے تو ماہیا زیادہ چمک اٹھے گا۔

صرف دو مثالیں:

مطبوعہ صورت میں	**ترتیب میں تبدیلی سے**
اے جان جہاں تجھ کو	ہے یاد ابھی مجھ کو
بھول نہیں سکتا	بھول نہیں سکتا
ہے یاد ابھی مجھ کو	اے جان جہاں تجھ کو
غیروں میں کوئی اپنا	آنکھوں میں یہی سپنا
کاش نکل آئے	کاش نکل آئے
آنکھوں میں یہی سپنا	غیروں میں کوئی اپنا

قمر ساحری کے بعض ماہیوں میں لفظوں کا برتاؤ نامانوس سا لگتا ہے۔ ممکن ہے اہل زبان میں یہ مروج ہو اور ہم پنجابی اور سرائیکی لہجے والی اردو بولنے والے اسی وجہ سے اجنبیت محسوس کرتے ہوں۔

ایسے چند ماہیے بھی دیکھ لیں:

آواز کہاں تک دیں
ساتھ تمہارے ہیں
تم ساتھ جہاں تک دیں

دوزخ کی دہک والی
دھوپ!!! ارے توبہ
سائے کو جلا ڈالی

ہونٹوں کو سیئے رکھنا
شہر درخشاں میں
پلکوں پہ دیئے رکھنا

ایسا بھی ہوا لوگو
بھول ہوئی سب سے
سب اپنی دعا لوگو

قمر ساحری کے بعض ماہیوں میں پنجابی ماہیے جیسی مٹھاس ملتی ہے تو بعض ماہیوں میں انوکھا اور خوبصورت شعری اسلوب جھلکتا ہے۔ یہ بلا شبہ ایسے ماہیے ہیں جو اہل پنجاب کو بھی متاثر کرنے والے ہیں۔ صرف چند مثالیں دیکھیں:

بانہوں میں نہیں نرمی
سرد ہوئے جذبے
بوسوں سے گئی گرمی

بے معنی تبسم کیا
بات کرو آؤ!
چھپ چھپ کے تکلم کیا

سچ تھا کہ کہانی تھی
یاد نہیں ہم کو
کیا چیز جوانی تھی

کیا دن تھے، نظارے تھے
بھول گئے ہوں گے
جب ہم بھی ''ستارے'' تھے

وہ اور زمانے تھے
یاد ابھی تک ہیں
جب خواب سہانے تھے

ہر صبح سہانی تھی
یاد ابھی تک ہے
ہر رات کہانی تھی

قمر ساحری نے ''باد سبز'' کے صفحہ نمبر ۳ پر لکھا ہے۔ ''اردو ادب میں پہلا دیوان ماہیا حرف اسبق کی ترتیب کے ساتھ''۔ اگرچہ ''بادِ سبز'' میرے ماہیوں کے مجموعہ ''محبت کے پھول'' کے بعد منظر عام پر آئی ہے تاہم اس کتاب کے بارے میں ان کا یہ دعویٰ بالکل درست ہے کہ حروف تہجی کے حساب سے ماہیے کہہ کر ماہیے کا دیوان پیش کرنا

پروفیسر قمر ساحری کا اعزاز اور کارنامہ ہے۔ان کا یہ کارنامہ اور اعزاز اردو ماہیے کی تاریخ میں ہمیشہ روشن رہے گا۔

قمر ساحری حیدر آباد سے تعلق رکھتے ہیں ۔دکن سے کراچی آکر آباد ہوئے۔ دکنی اردو کا پنجابی اور سرائیکی زبانوں سے قدیمی تعلق رہا ہے۔قمر ساحری نے پنجابی ماہیے کو اردو ماہیے میں زندگی دے کر دکنی اردو اور پنجابی ،سرائیکی زبانوں کے پرانے رشتے کو بھی پھر سے زندہ کر دیا ہے:

باشندہ دکن کا ہوں
حرف نکھرتے ہیں
اردو کے وطن کا ہوں

وہ کام کیا ہم نے
دنگ ہوئے سب ہی
دیوان لکھا ہم نے

بلاشبہ قمر ساحری نے اپنے ماہیوں کا دیوان پیش کر کے اردو ماہیے سے دلچسپی رکھنے والوں کو مسرت آمیز حیرت سے دوچار کر دیا ہے۔خدا کرے ہم سب کی یہ حیرت قائم رہے اور قمر ساحری اردو ماہیے کے میدان میں مزید پیش قدمی کرتے رہیں۔

☆☆☆☆

پروین کمار اشک کے ماہیے

ہندوستان میں رشید اعجاز ،نذیر فتح پوری اور انور مینائی کے بعد پروین کمار اشک کی ماہیا نگاری نے نہ صرف درست وزن کی تحریک کو تقویت پہنچائی بلکہ پنجابی سے ان کے تعلق نے ماہیے کے مزاج کو بھی کسی حد تک نمایاں کیا۔اس سلسلے میں ان کی پنجابیت ان کے بہت کام آئی۔

کھیل عشق کا سانجھا ہے
ہیر ہے ہر تتلی
ہر پھول اک رانجھا ہے

فریاد تو سن ماہیا
جان مری کھینچے
تری ونجھلی کی دھن ماہیا

رُت عشق نرالی ہے
ہجر کے بوٹے پر
غم کی ہریالی ہے

یوں وصل کی رات آئی
ماہی نہیں آیا
زخموں کی برات آئی

بابل کا ویہڑہ تھا
ساگ تھا سرسوں کا
مکھن کا پیڑہ تھا

کھیتوں کو پڑے دندل
گندل سی لڑکی
جب توڑتی تھی گندل

ان ماہیوں میں سانجھا، ونجھلی ،مکھن کا پیڑہ ، ویہڑہ ، گندل اور دندل جیسے پنجابی الفاظ اردو ماہیے میں غالباً پہلی بار آئے ہیں ان لفظوں کے استعمال سے ان ماہیوں

پر کوئی منفی اثر نہیں پڑا بلکہ اردو میں پنجابی کی آمیزش سے اردو کے دامن کو وسیع کرنے کا امکان ابھر آیا ہے۔

ماہی کی بے اعتنائی، بے وفائی اور شاعر کا احساس نارسائی پروین کمار اشک کے ماہیوں میں کچھ اس انداز سے بیان ہوتا ہے:

کیا حال ان پاؤں کا
بھول گئے رستہ
جو یار کے گاؤں کا

دل سونا رستہ ہے
گوری کے قدموں کو
جنموں سے ترستا ہے

ساگر سے بھی گہری تھی
ہاتھ نہیں آئی
مچھلی جو سنہری تھی

چنری میں ستارے ہیں
کالی راتوں میں
اشکوں کے سہارے ہیں

پروین کمار اشک کے ماہیوں میں کہیں کہیں ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ان میں زمینی آسمانی، طبیعاتی و مابعدالطبیعاتی قسم کی نیم فلسفیانہ لہر بھی آجاتی ہے۔ ماہیا اپنے مخصوص مزاج کے باعث دقیق اور فلسفیانہ مضامین کا متحمل نہیں ہوسکتا۔لیکن میرا خیال ہے کہ ایسے مضامین کو ماہیے کے لیے شجر ممنوعہ قرار دینا بھی مناسب نہیں۔عین ممکن ہے کہ آگے چل کر اردو ماہیا اپنے اندر ایسے موضوعات کو جذب کرنے کی صلاحیت پیدا کر لے۔اگر کبھی ایسا ہوا تو پروین کمار اشک اردو ماہیا کے اس آنے والے رویہ کے بانیوں میں شمار ہوں گے۔ان کے چند اس نوعیت کے ماہیے دیکھیں:

قدرت مرا مے خانہ
پیاس مری صحرا
دریا مرا پیمانہ

گر چھو لے تری مٹی
سانس چلے میرا
ورنہ میں نری مٹی

ہے کھیل مقدر کا
کشتی شیشے کی
دریا ہے پتھر کا

بجھتا ہوں نہ ڈھلتا ہوں
درد کا سورج ہوں
دن رات میں جلتا ہوں

پردیس چلے پتے
پیڑ بہت رویا
جب جھڑنے لگے پتے

کوئی چھاؤں نہ بیوہ ہو
دے دے کوئی کاندھا
گرتے ہوئے برگد کو

پروین کمار اشک کے ہاں جدائی کا مضمون ہجر سے ہجرت تک کا روپ اختیار کر جاتا ہے۔ان کے بزرگوں کو قیام پاکستان کے بعد بھارتی پنجاب جانا پڑا۔انہوں نے خود ترک وطن کا دکھ نہیں جھیلا۔ان کی پیدائش قیام پاکستان کے بعد ہوئی لیکن وطن سے جدائی کا دکھ انہیں ورثے میں ملا:

وہ دور نہیں دیکھا
ہم نے بزرگوں کا
لاہور نہیں دیکھا

ہجر کا دکھ ان کے ہاں یوں مقدس بن جاتا ہے:

دل و جان کا سنگم ہے
ہجر کا ہر آنسو
مجھے آب زم زم ہے

اور پھر ہجر سے ہجرت کی کیفیت یوں ظاہر ہوتی ہے:

ہجرت کے تھے خمیازے
خالی مکانوں پر
روتے رہے دروازے

ظالم شمشیروں نے
چیر دیئے دو دل
سرحد کی لکیروں نے

سرحد کی لکیروں سے ذہن سیاسی عمل کی طرف بھی جاتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ پروین کمار اشک کا دکھ سیاسی سے زیادہ انسانی دکھ ہے، محبت کا دکھ ہے، یادوں کا دکھ ہے۔ یہ محبتیں اور یادیں انہیں اپنے بزرگوں سے وراثت میں ملی ہیں اور وہ انہیں اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ پروین کمار اشک کے ہاں بعض ایسے ماہیے ملتے ہیں جو کچھ اوپرے اوپرے سے لگتے ہیں۔کہیں ایسے لگتا ہے کہ''بیت برائے بیت'' جیسی صورت ہے اور کہیں ایسے لگتا ہے ان کا خیال لفظوں کی گرفت میں پوری طرح نہیں آسکا، لفظ کچے کچے سے لگتے ہیں۔ایسے چند ماہیے بھی دیکھ لیں:

اک ڈائن آتی ہے
وصل کبوتر کو
کچا کھا جاتی ہے

بولے گا مرا طوطی
ماہی جو پہنے گا
مرے چمڑے کی جوتی

صورت کی کالی ہوں
کون اماں دے گا
ساجن تری گالی ہوں

کوٹھے پہ گری بجلی
آنکھوں میں یوں اتری
دل سے نہ گئی بجلی

اللہ سے ڈر کافر
ڈھولن ماہی پر
تنقید نہ کر کافر

سوکھے ہیں اگر پتے
ابر کی سازش ہے
کر اشکوں سے تر پتے

ہر اچھے سے اچھے شاعر کے ہاں کمزور شاعری کے چند نمونے مل جاتے ہیں۔ پروین کمار اشک کے ہاں ایسے ماہیوں کو اسی ذیل میں رکھا جا سکتا ہے۔اس کے باوجود وہ اردو کے ان خوبصورت ماہیا نگاروں میں شامل ہیں جو ماہیے کی بنیاد درست کرنے کے ساتھ اس کے اصل مزاج کو نمایاں بھی کر رہے ہیں اور اس تخلیقی عمل کے دوران خود کو تکرار سے بچانے کی کوشش بھی کر

رہے ہیں۔ظاہر ہے ایسی صورتحال میں اگر بعض تجربے کچے بھی رہ جائیں تو اس سے اجتہاد کرنے والے شعراء کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔اب پروین کمار اشک کے چند ایسے ماہیے دیکھیں جو بلا شبہ اردو ماہیے کے حسن میں اضافہ کر رہے ہیں:

احساس ہرا دیکھا
سوکھے پتوں سے
گلدان سجا دیکھا

کھوٹے کو کھرا کر دے
ایک نظر تیری
ہر دشت ہرا کر دے

چاند عشق کا روشن کر
روح کی مسجد میں
چن ماہی کے درشن کر

دل مست قلندر ہے
یا راس بوتل میں
اک عشق سمندر ہے

ساجن گھر ٹھہرے تھے
سرمئی راتیں تھیں
دن کتنے سنہرے تھے

شب تارے بہت روئے
چاند نہیں نکلا
بے چارے بہت روئے

سانسوں کے رشتے ہیں
پیپل مت کاٹو
پیپل میں پُرکھے ہیں

ہے قید مری تقدیر
ہتھکڑیاں ٹوٹیں
تو پاؤں پڑی زنجیر

خوشبو میں نہاتا ہوں
پھول کو تکتے ہی
شبنم ہو جاتا ہوں

ہم جیسے کہاں جوگی
درد دوا اپنی
ہم ٹھہرے غزل روگی

چندا کی چکوری ہے
شہد سے بھی میٹھی
تو دودھ سے گوری ہے

لے جا مجھے گھر ماہیا
تنہا نہ طے ہوگا
سانسوں کا سفر ماہیا

پردیس میں رہتے ہیں
دلی کے جنگل میں
دکھ پنڈی کے سہتے ہیں

روٹی کے چکر میں
رانجھے دبئی میں
ہیریں گم دفتر میں

کیا بھول گیا ماہیا
شہر کے کولر میں
پیپل کی ہوا ماہیا

کیا جادو کیا ماہیا
منہ سے کہوں رب رب
نکلے ماہیا۔ ماہیا

کلمے کے جادو نے
پاگل کر ڈالا
مجھے حضرت باہوؒ نے

بھوکے ہیں دعاؤں کے
درد ہیں یوں جیسے
بچے بن ماؤں کے

پروین کمار اشک کے اس انداز کے ماہیے، اردو ماہیا نگاری میں خوبصورت اضافہ ہیں۔ ان کے جذبوں سے بھرے دل اور خلاق ذہن نے مختصر سی مدت میں اتنے اچھے اور معیاری ماہیے عطا کیے ہیں کہ اردو ماہیے کے مستقبل سے اطمینان سا ہونے لگا ہے۔ مجھے امید ہے کہ پروین کمار اشک اپنے پنجابی مزاج اور لب و لہجے کے ساتھ اردو ماہیے کے دامن کو وسیع سے وسیع تر کرتے چلے جائیں گے۔

☆☆☆☆

نذیر فتح پوری کے ماہیے

بھارت کے شاعروں میں نذیر فتح پوری اور رشید اعجاز نے ایک ساتھ اور باقی سارے ماہیے نگاروں سے پہلے درست وزن میں ماہیا نگاری کی۔ رشید اعجاز مرحوم کی عمر نے وفا نہ کی اور وہ تھوڑے سے ماہیے اردو ماہیے کو عطا کر سکے۔ نذیر فتح پوری نے ماہیے کہنے میں فعالیت کا مظاہرہ کیا جو ان کی ماہیے سے محبت کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے حمدیہ، نعتیہ ماہیے لکھے، بزرگان دین سے اپنی عقیدت کا اظہار ماہیے میں کیا۔ ساون، تتلی، وہ اور کتاب کے عناوین کے تحت انہوں نے یک موضوعی ماہیے بھی لکھے۔ ان کی ماہیا نگاری ایسے انداز کے ماہیوں میں اپنا حسن دکھاتی ہے۔

موجوں میں بھی بکھریں گے
پار سمندر بھی
ہم لوگ ہی اتریں گے

امواج کے دھاروں تک
اپنی کہانی ہے
طوفاں سے کناروں تک

سینے سے اٹھتے ہیں
درد کے یہ بادل
آنکھوں سے برستے ہیں

قطرے سے بھنور تک ہے
رنگ محبت کا
ذرے سے گہر تک ہے

خوابوں کا جہاں رکھ لے
آگے اندھیرا ہے
کچھ کا ہکشاں رکھ لے

سیراب نہیں کرتا
تشنہ لبوں کو وہ
تشنہ بھی نہیں رکھتا

گُل کا ہے، نہ ِگل کا ہے
تم کو سنائیں کیا
یہ ماجرا دل کا ہے

یہ کرب بھی سہتے ہیں
اہلِ سمندر اب
تالاب میں رہتے ہیں

لمبائی سے مت ڈرنا
دل کے فسانے کی
تلخیص نہیں کرنا

گفتار زمانے کی
دل پہ گری جیسے
تلوار زمانے کی

یادوں کے چراغوں کو
تیز نہیں کرنا
جلتے ہوئے داغوں کو

کچھ پیڑ بھی اونچے تھے
یار تھے کم ہمت
انگور بھی کھٹے تھے

آنکھوں کی چمک جاگی
لمس ترا پا کر
سانسوں کی مہک جاگی

رخ دیکھ ہواؤں کا
دیپ جلانا پھر
رستے پہ دعاؤں کا

نذیر فتح پوری کے ایسے ماہیوں میں پنجابی ماہیوں کے رس کی ہلکی سی پھوار ہوتی محسوس ہوتی ہے جس سے تر و تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ اس طرح کے ماہیے اپنی مختلف کیفیتوں کے ساتھ دل پر براہ راست اثر کرتے ہیں۔ ان ماہیوں کے موضوعات محض پنجاب سے مخصوص نہیں ہیں اس کے باوجود ان میں ماہیے والی مٹھاس موجود ہے۔ شاید ایسا اس لیے ہے کہ یہ ماہیے بے ساختگی سے ہوتے گئے ہیں۔ ان کے برعکس نذیر فتح پوری نے جہاں شعوری طور پر پنجاب کا کوئی حوالہ لانے کی کاوش کی ہے وہیں ان کے ماہیے

رس اور مٹھاس سے تہی ہوتے نظر آتے ہیں اور آمد کی بجائے آورد کی صورت ابھر آتی ہے۔ مثال کے طور پر یہ دو ماہیے دیکھیں:

کچا ہے گھڑا اس کا
راہ میں دریا ہے
کیا ہوگا خدا! اس کا

الزام کڑا لے کر
یار سے ملنے کو
نکلی ہے گھڑا لے کر

دراصل نذیر فتح پوری راجستھانی شاعر ہیں۔ ان کے ہاں پنجاب کے دریائی اور میدانی مزاج کی بجائے صحرائی مزاج ملتا ہے۔ ماہیے کے مزاج میں صحرائی اثرات کی مکمل نفی تو نہیں کی جا سکتی لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ماہیے کے مزاج کا غالب عنصر میدانی اور پنج دریائی ہے۔

ہم مختلف قصوں، کہانیوں کی تلمیحات کو ماہیے میں بیان کر سکتے ہیں۔ نئے موضوعات بھی ماہیے کے لیے شجر ممنوعہ نہیں ہیں لیکن ان کا ماہیے کے مزاج سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے۔ میرا خیال ہے کہ خود نذیر فتح پوری کو بھی اس حقیقت کا ادراک ہو گیا ہے کیونکہ انہوں نے شعوری طور پر پنجابی ثقافت کے حوالے پیش کرنے سے زیادہ اپنے راجستھانی ماحول کو اپنا موضوع بنانا شروع کر دیا ہے۔ ان کا یہ تجربہ بھی بالکل ابتدائی مرحلے میں ہے اس لیے یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ تاہم اگر پنجابی مزاج کے ماہیے میں راجستھانی ثقافت کی ادبی پیوند کاری کا یہ تجربہ کامیاب ہو گیا تو اردو ماہیا ایک نئے ذائقے سے آشنا ہوگا۔ راجستھانی ماحول کے بعض ماہیے یہ احساس دلاتے ہیں کہ نذیر فتح پوری کا یہ تجربہ ابھی کچا پکا ہے۔ مثلاً

چاندی ہوں نہ سونا ہوں
توڑ دے ٹھوکر سے
میں ریت کھلونا ہوں

آندھی میں بھی لہرے گی
ریت کی رسی ہے
مٹھی میں نہ ٹھہرے گی

اک جاٹ کا بیٹا ہے
بوند بھرو سے پر
ہل جو تنے نکلا ہے

مرتوں کو جلا سجنی
گرمی کا موسم ہے
پنکھا تو جھلا سجنی

یہ گاؤں کی حالت ہے
ریت گھروندوں پر
آندھی کی حکومت ہے

بنجاروں کی ہے ٹولی
مہماں دو دن کے
پھر دوست نہ ہم جولی

اس طرز کے ماہیوں کے برعکس ایسے ماہیے ان امکانات کی طرف روشن اشارہ کرتے ہیں جو پنجاب کے ماہیے میں راجستھانی ثقافت کی آمیزش سے ماہیے کے حسن میں اضافے کا باعث بن سکتے ہیں:

کچھ سپنے سلونے تھے
جھولی میں بچپن کی
کچھ ریت کھلونے تھے

صحرا میں صدا دینا
ایسے لگا جیسے
بہرے کو دعا دینا

بے گھر ہیں یہ بے چارے
ان کا مقدر کیا
بنجارے ہیں بنجارے

کیوں روٹھ گیا پانی
ابر نہیں برسے
سب سوکھ گیا پانی

راجستھانی ماحول سے ہٹ کر، نذیر فتح پوری نے ماہیے کے مخصوص موضوعات سے آگے بڑھ کر بعض اہم موضوعات کو اپنے ماہیوں میں چھوا ہے۔

بارود پہ بیٹھی ہے
میرے زمانے کی
یہ فاختہ کیسی ہے

کیا فتویٰ تمہارا ہے
بزم انا الحق پہ
اب راج ہمارا ہے

کل رات جو بھڑ کی تھی
اپنی ہواؤں سے
تھی خاک قلندر کی

تسلیم نہیں کرنا
اہل رعونت کی
تعظیم نہیں کرنا

تاریخ نویسی کے نام پہ ہمارے ہاں ہی نہیں ساری دنیا میں جھوٹ کی فیکٹریاں لگی رہی ہیں۔تنخواہ دار تاریخ نویسوں نے تو خیر تاریخ لکھتے وقت صرف اور صرف اپنے آقاؤں کا حق نمک ہی ادا کرنا ہوتا ہے، بظاہر غیر جانبدار مورخین نے بھی اپنے تعصّبات سے تاریخی حقائق کو مسخ کیا ہے۔اس سلسلے میں نذیر فتح پوری نے بڑی دلچسپ بات کہی ہے:

تم ایک مورخ ہو
فرض تمہارا ہے
جو سچ ہے وہی لکھو

اس قسم کے موضوعات کو ماہیا اپنے اندر جذب کرتا ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ تو آنے والا وقت ہی کرے گا۔تاہم نذیر فتح پوری کی جرات کی داد ضرور دینی چاہیے کہ انہوں نے ماہیے سے محبت کے باعث ماہیا نگاری میں نئے موضوعات کو لا کر ماہیے کے دامن کو وسیع کرنے کی کاوش کی ہے۔یہ کاوش آگے چل کر ناکام ہو جائے تب بھی ماہیے سے نذیر فتح پوری کی محبت کی سچائی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

میں امید کرتا ہوں کہ نذیر فتح پوری ماہیے میں راجستھانی ثقافت کے اثرات خوبصورت اور دل آویز انداز سے پیش کر کے ماہیے کو راجستھان کا بھی عوامی گیت بنا دیں گے اور نئے موضوعات کو ایسے انداز سے پیش کریں گے کہ ماہیا انہیں اپنے اندر جذب کر لے گا اور اس انجذاب کے ساتھ اس کا دامن مزید وسیع ہو جائے گا۔ویسے اردو ماہیے کی تاریخ میں زندہ رہنے کے لیے نذیر فتح پوری کا یہ اعزاز بھی معمولی نہیں کہ

ماہیا نگاری کے اس فعال دور میں وہ بھارت سے اردو کے سب سے پہلے ماہیا نگار ہیں لیکن اردو ماہیے کے لیے ان کی خدمات اولیت کے اس اعزاز تک ہی محدود نہیں ہیں۔ اردو ماہیے کو ابھی ان سے بڑی توقعات ہیں۔

☆☆☆☆

یوسف اختر کے ماہیے

یوسف اختر اردو کے دوسرے اہم ماہیا نگاروں کی نسبت قدرے تاخیر سے ماہیا نگاری کی طرف آئے لیکن انہوں نے مختصر سے عرصہ میں اپنی عمدہ اور خوبصورت ماہیا نگاری سے اپنی تاخیر کی تلافی کردی ہے۔ان کے ماہیوں میں محبوب کی یاد سے لے کر انسانی مسائل تک جذبات کا اظہار دیہاتی ماحول کے تناظر میں ہوا ہے۔ یہ دیہاتی ماحول جہلم کے دریا کے پانی سے چلتا ہوا ہزارہ کے دریائے سرن سے ہوتا ہوا کشمیر کے دریائے نیلم کے کنارے تک آباد ہوتا چلا جاتا ہے۔

جہلم ترے دھاروں کی
بھول نہیں سکتے
ہم آگ چناروں کی

کچھ کھیت ہیں سرسوں کے
توڑ کے مت جانا
یہ رشتے برسوں کے

بہتا ہے سرن ڈھولا
صبح بنارس کی
تو پہلی کرن ڈھولا

گاؤں سے نکل آئے
دھوپ میں ہجرت کی
چھاؤں سے نکل آئے

نوخیز جوانی میں
سپنے ڈوب گئے
نیلم ترے پانی میں

کیوں آگ لگاتے ہو
دھان کے کھیتوں میں
سورج کو اُگاتے ہو

یوسف اختر کے ماہیوں میں خوشی کی کھلی کھلی کیفیت ملتی ہے ۔وصل اور جدائی

دونوں میں ہی محبت کا مسرت آمیز اظہار ملتا ہے جیسے انہیں یقین ہو کہ جدائی عارضی سی ہے اور جدائی کے ان لمحات کے بعد پھر وصل نصیب ہو گا۔ ان کے ایسے چند ماہیے دیکھیں:

کچنار کے پھول آئے
دل تری ٹیبل پر
ساجن ہم بھول آئے

برگد کی چھاؤں کو
بھول نہیں سکتے
گوری ترے گاؤں کو

ان چاندنی راتوں کے
بھید نہیں کھلتے
ڈھولا تری باتوں کے

ہم دل کو ٹٹولیں گے
پیار کے دعوے کو
میزان پہ تولیں گے

تصویر کرے کوئی
وصل کے لمحے کو
زنجیر کرے کوئی

اس دل کو وہ الجھائے
بیٹھ کے کھڑکی میں
جب زلف کو سلجھائے

دریا کی روانی ہے
ہاتھ ہواؤں کے
اب اپنی کہانی ہے

اک بات کہوں ڈھولا
کانٹوں سے ہم نے
پھولوں کو نہیں تولا

ماہیے میں خوشی کی ایسی کیفیت یوسف اختر کی خاص پہچان ہے کیونکہ اردو میں ابھی تک اس نوعیت کے ماہیے بہت کم کہے گئے ہیں۔ ان کے اس مزاج کے باعث ان کے ماہیوں میں غم کے مضامین میں بھی دکھ کے احساس کے باوجود جیسے خوشی کی کوئی زیریں لہر سی محسوس ہوتی ہے۔ شاید یہ دکھ کو دکھ دینے والے کی مہربانی سمجھ کر قبول کرنے کا رویہ ہے۔ ان کے ایسے چند ماہیے دیکھیں:

یادوں کے دیئے رکھنا
ہجر کے موسم میں
ہونٹوں کو سیئے رکھنا

اس شب کی سیاہی میں
روتے رہے ساجن
ہم تیری جدائی میں

ہرا پات مسوری کا
زخم نہیں بھرتا
اس چاند سے دوری کا

تنہا نہیں ہو جانا
شہر کی گلیوں میں
رسوا نہیں ہو جانا

ٹوٹے ہوئے تاروں سے
آس لگاتے ہو
ہم ہجر کے ماروں سے

خوشبو کے سفیروں کا
کون پتہ دے گا
اب تیرے فقیروں کا

پربت پر شام اتری
صدیوں کی تنہائی
ڈھولا مرے نام اتری

کچھ پیار بھری باتیں
اپنا اثاثہ ہیں
دو چار ملاقاتیں

یوسف اختر کے بعض ماہیوں میں سماجی اور سیاسی بے رحمی کا ذکر بھی آیا ہے۔ اس حوالے سے پہلے کراچی اور کشمیر کے بارے میں ان کے یہ دو ماہیے دیکھیں:

یہ شہر نگاراں ہے
خون کی سرخی ہے
کیا رنگ بہاراں ہے (کراچی)

انگار برستے ہیں
پھولوں کی وادی
میں خار برستے ہیں (کشمیر)

یوسف اختر کے لہجے میں جو ملائمت ہے اس کا نتیجہ ہے کہ عمومی غیر منصفانہ سماجی صورتحال پر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے بھی وہ ایک حد سے زیادہ بلند آہنگ اور

تلخ نہیں ہوتے۔اس موضوع کو چھوتے ہوئے یوسف اختر کا ملائم لہجہ ان کے ماہیوں کو نعرہ بننے سے بچالیتا ہے۔ان کے اس نوعیت کے چند ماہیے دیکھیں:

آنکھوں سے کشید ہوئے
حرف جو ہونٹوں کے
مقتل میں شہید ہوئے

کچھ سوچ کے نکلے تھے
خواب پرندوں کے
پرنوچ کے نکلے تھے

دولت کے پجاری ہیں
سچ کو چھپاتے ہیں
یہ کیسے لکھاری ہیں

کیسے ہوشناسائی
دھوپ کی بستی میں
کہیں چھاؤں نہیں آئی

احساس یہ کب ہوگا
لہجے کی تلخی
کا کچھ تو سبب ہوگا

ناکردہ گناہوں کی
قید بہت کاٹی
ان شہر پناہوں کی

رشتوں سے محبت،بعض رشتوں کے ٹوٹنے کا دکھ اور بعض ٹوٹے ہوئے رشتوں کی المیہ صورتحال یوسف اختر کے ماہیوں میں یوں آئی ہے:

کچھ کانچ سے گہنوں کے
رشتے ٹوٹ گئے
اک بھائی سے بہنوں کے

ریکھا تھی ہتھیلی پر
بھائی الجھ بیٹھے
بابل کی حویلی پر

خوش پھرتا ہے ماں جایا
بھائی کے بچوں نے
کھانا بھی نہیں کھایا

ماں کا رشتہ بڑا مقدس اور معتبر رشتہ ہے اردو ماہیے میں اس رشتے کے حوالے سے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔اس رشتے کے تعلق سے یوسف اختر کے ماہیے مضمون کی تکرار کا احساس دلاتے ہیں۔ماں کی دعا کا مضمون پہلے ہی سو رنگ سے باندھا جا چکا ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ اب اردو ماہیے میں اس سے ہٹ کر بھی کوئی بات کہی جائے۔بہرحال ماں کی دعا کے حوالے سے یوسف اختر کے یہ دو ماہیے بھی دیکھ لیں:

گھنگھور گھٹائیں ہیں
سایہ فگن سر پر
میری ماں کی دعائیں ہیں

ہم رہتے ہیں چھاؤں میں
رکھتی ہے یاد ہمیں
ماں اپنی دعاؤں میں

یوسف اختر کے ماہیوں میں نفس مضمون کی تکرار کی ایسی مثالیں بہت کم ہیں۔عمومی طور پر ان کے ماہیوں میں خیال کی تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ان کے ماہیے پنجاب اور کشمیر کے سنگم پر واقع ہزارہ کے خوبصورت علاقہ کی مٹی سے جڑے ہوئے ہیں۔چنانچہ ان میں پنجابی اور ہزاروی ثقافت کے ساتھ ساتھ پوٹھوہاری اور کشمیری کلچر کے ہلکے ہلکے اثرات بھی ابھرے ہیں۔یوں اردو میں ان کا لہجہ ماہیے سے ہم آہنگ ہو کر اس سے آگے بھی جاتا دکھائی دیتا ہے۔ان کے چند خوبصورت ماہیے دیکھیں:

اجڑی ہوئی راہوں میں
اس نے گرا ڈالا
اپنی ہی نگاہوں میں

بچپن کی کہانی پر
بنیادیں رکھیں
بہتے ہوئے پانی پر

برسات میں پھاگن کی
یاد بہت آئی
بھولے ہوئے ساجن کی

اک خواب چنا ہوتا
رات کے آنگن سے
مہتاب چنا ہوتا

دیوار میں در رکھنا
چاہ کی پونجی کو
سنبھال کے گھر رکھنا

کبھی آ کے مل ڈھولا
دیس پرائے میں
اکتا گیا دل ڈھولا

جینے تو دیا ہوتا
زہر جدائی کا
پینے تو دیا ہوتا

کاغذ کے گلابوں کی
کون چنے کرچیں
ٹوٹے ہوئے خوابوں کی

کوئی چنری ململ کی
سونے نہیں دیتی
چھن چھن تری پائل کی

زنجیر ہے پاؤں کی
راہ نہیں بھولے
ڈھولا ترے گاؤں کی

آنکھوں سے دور ہوئے
خواب تھے شیشے کے
جو چکنا چور ہوئے

پھولوں کی نمائش میں
رستہ بھول گئے
ہم چاند کی خواہش میں

اگر یوسف اختر اپنی ماہیا نگاری میں اسی انداز سے آگے بڑھتے رہے تو اپنے منفرد لہجے کو مستحکم کر لینے کے بعد تمام ماہیا نگاروں میں اپنے رس اور نغمگی کے باعث الگ سے پہچانے جائیں گے۔ اردو ماہیے کو یوسف اختر جیسے نغمہ ریز اور خوبصورت ماہیا نگار نے ابھی بہت کچھ دینا ہے۔

☆☆☆☆

انور مینائی کے ماہیے

ماہیا نگار انور مینائی سے میرا پہلا تعارف ستمبر۱۹۹۴ء میں ہوا۔ اس ماہ کے رسالہ ''صریر'' کراچی میں ان کا ایک خط چھپا تھا اور ''صریر'' کے مخصوص انداز کے مطابق خط کے ساتھ ہی ایڈیٹر ''صریر'' ڈاکٹر فہیم اعظمی کا جواب بھی چھپا تھا۔ اس خط اور اس کے جواب کا ماہیے سے متعلق قابلِ ذکر حصہ یہاں پیش کر رہا ہوں:

انور مینائی کے خط کا اقتباس: گزشتہ مرتبہ پندرہ ماہیے بروزن مفعول مفاعیلن / فعل مفاعیلن یعنی آپ کے تائید کردہ وزن پر اشاعت کے لیے روانہ کیے تھے۔ اپریل کے شمارہ میں شائع نہیں ہوئے۔ غالبًا اگلی اشاعت کے لیے آپ نے محفوظ کر لیے ہوں گے۔

ادارہ صریر: انور مینائی صاحب! آپ کے ماہیے ہمارے پاس محفوظ ہیں اور شائع ہوں گے۔ ویسے انور مینائی صاحب دوہے کی طرح ماہیا بھی گیت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن کا تعلق اس مٹی سے نہیں ہے جہاں ماہیا پیدا ہوا، ان کی کوشش ارادی ہو جاتی ہے۔ ان کے ماہیے میں Rustictouch کم اور Sophistication زیادہ آ جاتا ہے۔ آپ کا ایک ماہیا ہے۔

ہر موج میں بہتا ہوں / پنجابی دھن میں / میں ماہیے کہتا ہوں /

تو بھائی دھن تو ٹھیک ہے لیکن موضوع، احساس، جذبات، وارفتگی تمثال تو وہ نہیں ہوتے۔

ڈاکٹر فہیم اعظمی کی بات اصولی طور پر درست تھی، اگرچہ اس میں یہ استثنائی گنجائش بھی ہے کہ پنجابی اور اردو کے درمیان گہری لسانی قربت ہے اور جغرافیائی لحاظ سے بھی پنجاب سے ملتے ہوئے اردو کے علاقے دونوں زبانوں کو مزید قریب لے آتے ہیں۔ اس لحاظ سے کہہ سکتے

ہیں کہ برصغیر کی زبانوں میں پنجابی اور اردو ایک دوسرے سے کافی قریب ہیں تاہم ڈاکٹر فہیم اعظمی کی بات بھی یکسر غلط نہیں ہے۔البتہ انہوں نے اپنا موقف جس ماہیے کی مثال کے ساتھ بیان کیا ہے وہ مثال درست نہیں ہے کیونکہ انور مینائی کا مذکورہ بالا ماہیا ایک خوبصورت ماہیا ہے جو پنجابی کے ماہیے کے وزن کے مطابق اور مزاج سے کافی قریب ہے۔انور مینائی کرناٹک، بنگلور سے تعلق رکھتے ہیں جو جغرافیائی لحاظ سے پنجاب سے قریب نہیں ہے۔اس کے باوجود ان کا یہی ماہیا پڑھ کر میں نے محسوس کر لیا تھا کہ ان کے اندر ایک اچھا ماہیا نگار چھپا ہوا ہے۔پھر میں نے دو ماہی گلبن احمد آباد کے شمارہ نومبر، دسمبر ۱۹۹۴ء میں ان کے چند ماہیے پڑھے:

کیا میت نہیں کوئی
ہونٹوں پہ ہنسی کے
اب گیت نہیں کوئی

دھن پیار کا ٹھکرا کر
افسوس اب ساجن
پردیس بسے جا کر

ہے آج ہوا پاگل
تجھ کو بلاتا ہے
پیڑوں کا ہرا آنچل

شہروں کی زمیں ترسے
لیکن سمندر پر
ساون کی گھٹا برسے

یہ سارے ماہیے درست وزن میں تھے۔تب میں نے ان سے رابطہ کیا اور انہیں لکھا کہ آخری ماہیے کا دوسرا مصرعہ وزن کے لحاظ سے یوں بھی چل سکتا ہے لیکن اگر وہ دوسرے مصرعہ میں لفظ ''لیکن'' کی جگہ ''اور'' کر لیں تو ماہیا زیادہ خوبصورت ہو جائے گا۔یعنی:

شہروں کی زمیں ترسے
اور سمندر پر
ساون کی گھٹا برسے

انور مینائی علم عروض میں مہارت رکھتے ہیں۔ان کی کتاب ''شہکارِ عروض و

بلاغت'' چھپ چکی ہے۔پی۔ایچ۔ڈی کا تحقیقی مقالہ مکمل کر چکے ہیں۔ان کی عالی ظرفی ہے کہ انہوں نے نہ صرف میری تجویز کو قبول کیا بلکہ پنجابی ماہیے کے وزن کے ساتھ اس کے مزاج کو سمجھنے کے لیے میرے ساتھ مسلسل خط و کتابت کی۔بھارت میں رشید اعجاز اور نذیر فتح پوری کے بعد کسی شاعر نے ماہیے کو سب سے زیادہ فروغ دینے کی کوشش کی ہے تو وہ انور مینائی ہیں۔ان کے بہت سارے ماہیے اردو کے خوبصورت ماہیے کہے جا سکتے ہیں۔

بے مثل جوانی ہے
خوشبو فدا تجھ پر
تو پھولوں کی رانی ہے

یہ دکھ کے جھمیلے ہیں
ہم دونوں اب تک
مل کر بھی اکیلے ہیں

بے رنگ سی کلیاں ہیں
سجنی کہاں ہے تو
اجڑی ہوئی گلیاں ہیں

ہے رنگ بہت گہرا
سرخی اناروں کی
تکتی ہے ترا چہرہ

پھر لوٹ کے بچپن میں
آؤ ذرا کھیلیں
برسات کے آنگن میں

شاداب فضائیں ہیں
جنگل میں ہر سو
برگد کی جٹائیں ہیں

سفاک ہواؤں میں
بھسم نہ ہو جاؤں
رشتوں کی چتاؤں میں

گرمی میں جھلستی ہیں
پانی کی خاطر
فصلیں بھی ترستی ہیں

پھر کیسے پرائے ہیں
ہم تو تمہاری ہی
آواز کے سائے ہیں

ریت آنکھوں میں چبھتی ہے
اب مری نظروں میں
ساحل ہے نہ سیپی ہے

انور مینائی کے ماہیوں میں ظلم اور ناانصافی کے، انسانی المناکی کے مضامین بھی آئے ہیں۔ بظاہر ایسے مضامین ماہیے میں نہیں جچتے لیکن ان ماہیوں کو ادبی لحاظ سے ترقی پسند تحریک کے حوالے سے دیکھا جائے تو اردو میں نہ صرف قابل قبول لگتے ہیں بلکہ ماہیے کے مضامین میں اضافے کا موجب بھی لگتے ہیں۔ البتہ اس کا فیصلہ آنے والا وقت کرے گا کہ ایسے ماہیوں کو ماہیا اپنے اندر بساتا ہے یا نہیں؟ انور مینائی کے ایسے چند ماہیے دیکھیں۔

زخموں کے نوادر ہیں
میری نگاہوں میں
خوں رنگ مناظر ہیں

کانٹوں پہ نوازش ہے
پھولوں سے کہہ دو
موسم کی یہ سازش ہے

پھل توڑو تو خطرہ ہے
سبز درختوں پر
سانپوں کا بسیرا ہے

رُت آئی ہے پت جھڑ کی
مجھ سے نہیں ہو گی
گیتوں کی پذیرائی

یہ سچ کی تباہی ہے
اب کے عدالت میں
جھوٹوں کی گواہی ہے

ہوتا نہیں میں غارت
لمحوں سے لڑتا ہوں
جیون ہے مہا بھارت

انور مینائی کے ماہیوں میں درختوں اور جنگلوں کا ذکر کچھ اس انداز میں ملتا ہے:

ہر شاخ لچکتی ہے
تیز ہواؤں سے
جامن بھی ٹپکتی ہے

برسے ہیں یونہی پتھر
خوشبو تھرکتی ہے
اب آم کے پیڑوں پر

موسم کا بلاوا ہے
مستی لٹاتی ہے
پیپل کی جو چھایا ہے

سناٹوں کے جنگل میں
بستی دھنس جاتی
ہے رات کی دلدل میں

پنجابی ماہیے میں فکر کے مقابلہ میں جذبہ غالب رہتا ہے جب کہ انور مینائی کے ہاں فکر کا غلبہ زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ ویسے اردو میں جذبے اور فکر کے فطری توازن سے ماہیے کے ارتقاء میں اہم کردار ادا کیا جا سکتا ہے۔ انور مینائی یہی کردار ادا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

جوگی کا بسیرا ہے
جیون کا ہے کا
اک دھوپ کا صحرا ہے

پھر چاہے بکھر جاؤ
پہلے مرے اندر
چپ چاپ اتر جاؤ

حرکت سی ہے ساکن میں
معنی کی دنیا ہے
الفاظ کے باطن میں

پڑ جاؤ گے الجھن میں
چہرہ ذرا دیکھو
حالات کے درپن میں

اک زخم لگا گہرا
آنکھوں کے آگے
خوابوں کا نگر اجڑا

کیا آب ہے چہروں میں
ہم تم بہہ نکلے
جذبات کی لہروں میں

انور مینائی کے اس انداز کے ماہیوں میں ان کا جذبہ اور فکر دونوں متوازی ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔انور مینائی اردو ماہیے کے ان اہم ابتدائی شعرا میں سے ہیں جنہوں نے ماہیے کے وزن اور مزاج کو برقرار رکھنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔اور اس کے ارتقاء کے امکانات کو اجاگر کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ انور مینائی اردو ماہیے سے اپنی محبت کو قائم رکھیں گے۔اس نوخیز شعری صنف کو تخلیقی لگن کے ساتھ اپنے جذبوں اور فکر کے رچاؤ سے مزید خوبصورت ماہیے عطا کریں گے اور اس کے دامن کو اپنے ماہیوں سے مالا مال کر دیں گے۔

☆☆☆☆

سعید شباب کے ماہیے

سعید شباب نے سب سے پہلے اپنے ماہیوں کو کسی عنوان کے تحت پیش کرنے کی روایت قائم کی ہے۔ یاد، دل، دیوانہ اور ماہیے کے عنوان کے تحت انہوں نے گویا مسلسل غزل کی طرح مسلسل ماہیے پیش کیے ہیں۔''ماہیے'' کے خصوصی عنوان سے پیش کئے گئے ان کے ماہیے پڑھ کر دیکھیں۔ ماہیے کی ہیئت، وزن اور مزاج کے بارے میں مضامین کی صورت میں تو بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن ماہیا شاعری کے ذریعے سعید شباب نے دریا کو کوزے میں بند کر کے دکھا دیا ہے۔ماہیے کے لفظ کو شعری ضرورت کے مطابق پنجابی تلفظ میں بھی برتا ہے اور اردو تلفظ میں بھی۔

گیتوں کی جوانی ہے
بحر یہی یارو
ماہیے کی نشانی ہے

مٹیار اٹھلاتی ہوئی
دھن ہے ماہیے کی
ہنستی، بل کھاتی ہوئی

پھولوں کی مہک بھی ہے
ماہیے میں دکھ کے
کانٹوں کی کسک بھی ہے

تحفہ پنجاب کا ہے
نشہ ماہیے میں
دریائے چناب کا ہے

گہرائی کی خوبی ہے
وسعتِ صحرا بھی
ماہیے میں ڈوبی ہے

جن لوگوں نے ماہیے کو صرف تحریری صورت میں دیکھا ہے ان میں سے اکثر نے اعتراض کیا کہ دوسرے مصرعہ میں تھوڑی سی کمی کے باعث جھٹکا محسوس ہوتا ہے۔لیکن دوسرے مصرعے میں ایک سبب کی کمی سے ہی تو ماہیے میں روانی پیدا ہوتی ہے اور اس روانی کا اس وقت تک اندازہ نہیں کیا جا سکتا جب تک گائے ہوئے ماہیے سن نہ لئے جائیں۔ماہیے کی دھن کو ایک مٹیار کہہ کر پھر اس کی اٹھلاتی ہوئی چال کو ہنستی، بل کھاتی ہوئی بیان کر کے سعید شباب نے بڑی لطافت سے ماہیے کے دوسرے مصرعہ کے وزن کی نوعیت اور خوبصورتی کو اجاگر کیا ہے۔ان پانچوں ماہیوں میں سعید شباب نے ماہیے کی جو خوبیاں بیان کی ہیں، وہ ساری خوبیاں ان کے اپنے ماہیوں میں موجود ہیں۔انہوں نے ماہیے کے اصل وزن میں ماہیے کہے۔ان کی ماہیا شاعری کسی مٹیار کی طرح اٹھلاتی، ہنستی اور بل کھاتی ہوئی آتی دکھائی دیتی ہے۔ان کے ماہیے گیتوں کی جوانی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔چند ماہیے دیکھیں:

بادل اور پروائی
دیکھ کے گوری کو
لینے لگے انگڑائی

خوشبو کی طرح مہکو
شاخ پہ اس دل کی
پنچھی کی طرح چہکو

پازیب کی چھن چھن سے
بوجھ لیا اس کو
ہمسایوں کے آنگن سے

مت دور نکل جانا
ممکن ہوتا ہے
موسم کا بدل جانا

پھولوں کی مہک اور کانٹوں کی کسک سے دکھ اور سکھ کے ملاپ کا جو منظر نامہ بنتا ہے۔وہ سعید شباب کے ماہیوں میں بڑا خوبصورت دکھائی دیتا ہے:

ہنستے ہوئے رونے کا
موسم آیا ہے
دکھ درد بلونے کا

دکھ، درد کا میلہ ہے
من کی بستی کا
یہ رنگ نویلا ہے

آئے نہ نگاہوں میں
آنکھیں بچھائی تھیں
اس شوخ کی راہوں میں

کیا اپنی جوانی ہے
درد کا قصہ ہے
زخموں کی کہانی ہے

احساس کے گھاؤ میں
جلتے رہتے ہیں
یادوں کے الاؤ میں

اک زخم بھرا جب سے
مانگ رہا ہے دل
اک زخم نیا، رب سے

اور سعید شباب کے دو ایسے ماہیے دیکھیں جن میں دریائے چناب کے نشے کا سرور موجود ہے:

دشمن دل والوں کا
شہر تمہارا بھی
ہوا شہر سیالوں کا

اک یاد پرانی ہے
دل کے چناب میں پھر
کوئی طغیانی ہے

ماہیے میں جس گہرائی اور وسعت کا ذکر سعید شباب نے کیا ہے اس کی ایک ہلکی سی جھلک ان کے اپنے ماہیوں میں بھی دیکھ لیں:

ہم باہر رُلتے ہیں
حالانکہ دروازے
سب اندر کھلتے ہیں

دکھ خواب کے کھونے کا
پھول تھے چاندی کے
ہر پیڑ تھا سونے کا

اک بوند کی ہستی ہے
دل کی حقیقت کیا
بس خون کی مستی ہے

راس آ گئی تنہائی
گھائل کر گئی جب
چہروں کی شناسائی

سعید شباب کے ماہیوں میں ان کا جو لہجہ ابھرا ہے وہ پنجاب کے دریا اور چولستان کے صحرا، دونوں کے امتزاج کا نتیجہ ہے۔ پانی اور ریت، پیاس اور سراب ،شہری اور خانہ بدوشی، شور اور خاموشی، سکوت اور تحرک، ہجر اور وصال، خوشی اور غم ،غرض ایسی متضاد حالتوں کے ٹکراؤ سے نہیں بلکہ ملاپ اور امتزاج سے سعید شباب کی ماہیا شاعری کا لہجہ بنتا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ ان دونوں کلچرز سے نہ صرف پوری طرح آشنا ہیں بلکہ ان دونوں کلچرز کے اثرات ان کے اندر رچے بسے ہوئے ہیں۔ وجہ کچھ بھی رہی ہو سعید شباب کے مخصوص لہجے نے اردو ماہیے کو اپنے ابتدائی مرحلے میں ہی ایک عمدہ اور خوبصورت ماہیا نگار عطا کر دیا ہے۔ سعید شباب کے ماہیوں میں متضاد کیفیتوں کے امتزاج سے جو شاعری وجود میں آئی ہے وہ امتزاج ہونے کے باوجود دریائی سے زیادہ صحرائی ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ وہ پنجاب کا باسی ہونے کے باوجود چولستانی ہے۔ بہر حال اس کے مخصوص مزاج اور لہجے کے حامل یہ چند ماہیے دیکھیں:

ہنستا ہے نہ روتا ہے
دل کا محبت میں
یہ حال بھی ہوتا ہے

پہرہ تو بٹھانا ہے
دل کی تجوری میں
زخموں کا خزانہ ہے

ہنس ہنس کے رلاتی ہیں
یادیں ستم گر کی
رہ رہ کے ستاتی ہیں

کب اس نے پکارا تھا
دل کی تھی خوش فہمی
اور وہم ہمارا تھا

بس ایسا ہی موسم ہو
تپتا ہوا دل ہو
اور آنکھ میں شبنم ہو

مت اس کو صدا دینا
دیپک یادوں کے
اب خود ہی بجھا دینا

جب اونچی ہوں پروازیں
سنتے نہیں پنچھی
پھر پیڑوں کی آوازیں

ہنس کھیل کے جی لیں گے
اور دل کے آنسو
خاموشی سے پی لیں گے

سعید شباب کے جتنے ماہیے حوالے کے طور پر ابھی تک درج ہوئے ہیں ان میں سے دس ماہیوں میں دل اور ایک میں من کا لفظ آیا ہے۔ جن ماہیوں میں دل کا لفظ نہیں آیا ان میں سے چند ایک کو چھوڑ کر باقی سب میں بھی ’’روداد دل‘‘ ہی بیان ہوئی ہے۔ میں نے اپنے ایک مضمون میں ماہیے کو کتاب دل قرار دیا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ ماہیا فکر سے زیادہ جذبے کو اہمیت دیتا ہے۔ سچے جذبے کتاب دل کی کہانیاں ہیں۔ سعید شباب صاحب دل شاعر ہیں۔ انہوں نے فکر و خیال کو رد نہیں کیا لیکن عشق و خرد اور دل و دماغ کی کشمکش کو اپنے طور پر سمجھنے کے بعد دل کے حق میں ووٹ دیا ہے:

نفرت نہ محبت سے
روگ لگے سارے
اس سوچ کی وسعت سے

یہ الگ بات ہے کہ محبت کا روگ اور اس کی وسعت عقل و خرد سے کہیں زیادہ ہے۔ سعید شباب محبت کے روگ میں مبتلا دکھوں اور یادوں کے پھیلے ہوئے صحرا میں دھونی رمائے بیٹھے ہیں۔ اس صحرا میں بڑ کا کوئی درخت نہیں ہو سکتا لیکن محبت کے گیان کے لیے کسی بڑ کے درخت کی ایسی خاص ضرورت بھی نہیں ہوتی کیونکہ محبت کا روگ خود ہی بڑ کا درخت بن کر اپنے روگی کو گیان کا نور عطا کر دیتا ہے۔

بجھتے ہوئے تارے ہیں
دل کی اداسی سے
بے چین نظارے ہیں

جگنو ہے نہ تارا ہے
ہجر کی راتوں میں
بس ذکر تمہارا ہے

کوئی بستی نہ راس آئی
یاد کھنڈر ہی میں
خوش ہے ترا سودائی

کوئی سپنا نہیں تھا وہ
کیا بنتا میرا
خود اپنا نہیں تھا وہ

سعید شباب کے ماہیے اصلاً ایک دکھی دل کی آواز ہیں۔ یہ دنیا والوں سے فریاد کی صورت میں نہیں بلکہ اپنی محبت کی مہک اور اس کے روگ کی کسک سے بے ساختہ ابھرنے والی آواز ہے جو خود شاعر کے لیے انوکھی سی لذت کا موجب بن رہی ہے۔ ماہیا نگاری کے اس درخشاں دور کی ابتدا میں سعید شباب اردو ماہیا کے ایک اہم شاعر کی حیثیت سے سامنے آئے ہیں۔ ان کے ماہیوں کی خوشبو دیر تک رہے گی۔ ماہیے کی تاریخ میں ان کے خوبصورت ماہیے آنے والے ماہیا نگاروں کے لیے اگلی منزلوں کی طرف نشاندہی کرتے رہیں گے۔

☆☆☆☆

اختتامیہ

''اردو میں ماہیا نگاری'' کے مکمل ہونے تک اس موضوع سے متعلق بعض دلچسپ مخفی گوشے سامنے آ گئے ہیں۔ ماہیے کے وزن کی بحث میں تحقیقی زاویے سے ان پر مزید کام ہونا چاہیے۔ یہاں میں مختصراً نشاندہی کیے دیتا ہوں۔

پنجابی ماہیے کے وزن کے سلسلے میں بظاہر تنویر بخاری اور ڈاکٹر ہوشیار پوری کے درمیان وزن کے تعین کا اختلاف بحث کی صورت میں چلا تھا جس میں تنویر بخاری کے بقول ماہیے کا وزن مفعول مفاعیلن بنتا ہے اور ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری کے بقول ماہیے کا وزن فعلن فعلن فعلن بنتا ہے۔ اب یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ مفعول مفاعیلن کا وزن پنجابی میں سب سے پہلے پروفیسر شارب نے بیان کیا تھا۔ پنجاب بورڈ لاہور نے ۱۹۸۷ء میں ان کی مرتب کردہ کتاب ماہیے پر شائع کی تھی۔ اس کے صفحہ نمبر ۱۱ تا صفحہ نمبر ۳۶ پروفیسر شارب نے ''کچھ ماہیے بارے'' کے زیرعنوان اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس میں انہوں نے ماہیے کا وزن مفعول مفاعیلن بیان کیا ہے۔

تنویر بخاری نے اپنی کتاب ''ماہیا فن تے بنتر'' (مطبوعہ ۱۹۸۸ء) میں وزن کے مسئلے پر مختلف پنجابی اور سرائیکی دانشوروں کی آراء کے حوالے دیئے ہیں۔ (شاید احتیاطاً) ۱۹۶۵ء سے بھی پہلے علامہ غلام یعقوب انور کے ساتھ اپنی زبانی گفتگو کا حوالہ بھی دیا ہے جس کی رو سے مفعول مفاعیلن وزن کا تعین سب سے پہلے تنویر بخاری نے کیا تھا (کتاب ''ماہیا۔۔فن تے بنتر'' صفحہ نمبر ۲۸ تا صفحہ نمبر ۳۱) ہو سکتا ہے اس وزن کی دریافت تنویر بخاری نے ہی سب سے پہلے کی ہو اور انہیں کی زبانی بات پروفیسر شارب

لے اڑے ہوں تاہم مناسب تھا کہ تنویر بخاری نے جہاں مختلف پنجابی اور سرائیکی دانشوروں کے حوالے دیئے تھے وہیں ۱۹۸۷ء میں چھپنے والی کتاب ''ماہیے''اور پروفیسر شارب کا حوالہ بھی دے دیا ہوتا بلکہ یہ وضاحت بھی کر دی ہوتی کہ پروفیسر شارب نے انہیں کے بیان سے استفادہ کیا تھا تو ان کی علمی پوزیشن زیادہ بہتر ہوتی۔ان کی طرف سے پروفیسر شارب کے نام اور کام سے گریز حقیقتاً شعوری اخفا کے زمرے میں آرہا ہےاوران کی تحقیقی محبت کا یہ پہلومشکوک ہورہا ہے تاہم اس سلسلے میں تنویر بخاری اور پروفیسر شارب اوردیگر سنجیدہ اہلِ علم بہتر طور پر حقیقت کو واضح کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری نے مفعول مفاعیلن کے مقابلے میں فعلن فعلن فعلن کا جو وزن بیان کیا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ابھی تک ماہیے کی دھن کی بنیاد پر میرے لیے تو یہ دونوں وزن (دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کی کمی کے ساتھ) ویسے بھی قابل قبول ہیں تاہم احمد حسین مجاہد نے اپنی عروضی تحقیق سے واضح کیا ہے کہ اردو میں ان دونوں اوزان کا فرق صرف ''تسکین اوسط'' کی کرشمہ سازی ہے ورنہ اصل میں دونوں ایک ہیں۔سو اس سے ہمارے موقف کو مزید تقویت ملتی ہے کہ ہم صرف دھن کی بنیاد پر جن اوزان کو تسلیم کرتے ہیں وہ عروضی لحاظ سے بھی اردو میں ایک ہی ہو جاتے ہیں۔میرا اور میرے دوسرے ساتھیوں کا بنیادی موقف یہی ہے کہ ماہیے کے وزن کا تعین اس کی دھن کی بنیاد پر ہوتا ہے۔اس اصول کے مطابق ماہیے کا جو وزن بھی دریافت کر لیا جائے قابل قبول ہے۔تاحال کسی بھی وزن میں طے کریں ماہیے کے دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کی کمی لازم آرہی ہے۔دھن کی بنیاد پر ماہیے کے وزن کی تلاش کا اصول ایسا بنیادی کام ہے جس سے اب ہمارے پنجابی اسکالرز بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔

''اردو ماہیا نگاری'' کا یہ اختتامیہ ماہیے کی بحث کا اختتام نہیں ہے بلکہ علمی ،ادبی اور تحقیقی زبان میں بات کرنے والوں کے لیے ایک بڑی سطح پر یہ نقطہ آغاز ہے۔ مجھے امید ہے کہ ماہیے کے خدو خال کو نکھارنے اور سنوارنے کے لیے تخلیقی اور تحقیقی

دونوں لحاظ سے مزید پیش رفت ہوگی۔پنجابی کا لوک گیت ماہیا اردو شاعری میں اپنی جڑیں مضبوط کرنے کے ساتھ اردو کی ایک مقبول، توانا اور میٹھی شعری صنف کے طور پر نمایاں ہوگا۔اردو ماہیے کے حسن، خوشبو اور رس کا جادو عوام کو بھی اور تخلیق کاروں کو بھی اپنا اسیر بناتا چلا جائے گا۔

حیدر قریشی

(جرمنی سے)